شام و سحر کی باتیں

ڈاکٹر شبیہ الحسن

شام و سحر کی باتیں

(اداریے)

ڈاکٹر شبیہ الحسن

الحبیب پبلی کیشنز

۲۵۳-ایف رحمان پورہ لاہور

حقوق اشاعت محفوظ

۱۹۹۸ء

شام و سحر کی باتیں

ڈاکٹر شبیہ الحسن

طابع
رونق رضا
مطبع
رضا سنز پرنٹرز شیخ پانڈہ فیروز پور روڈ لاہور
سرورق
احمد رضا
کمپوزنگ
فاروقی کمپوزنگ سینٹر خواجہ آرکیڈ وحدت روڈ لاہور فون: ۵۸۶۸۰۶۴-۷۵۸۴۳۰۳

قیمت: ۱۵۰ روپے

یکے از مطبوعات

الحبیب پبلی کیشنز ۲۵۳-ایف رحمان پورہ لاہور

انتساب

محترم شیخ صفدر علیؒ صاحب
کے نام

مدیر اعلیٰ ماہنامہ شام و سحر لاہور

ڈاکٹر سید حسن الحسن

ماہنامہ شام و سحر کے مدیر اعلیٰ جناب شیخ صفدر علی سماجی اور کاروباری حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ شیخ صاحب کی علم دوستی اور ادب پروری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جلب منفعت سے بالاتر ہو کر شام و سحر کو صوری اور معنوی اعتبار سے خوب سے خوب تر بنانے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ انہیں عزم و حوصلہ عطا فرمائے تاکہ وہ اسی طرح گلشن شعر و ادب کی آبیاری کرتے رہیں۔

ماہنامہ شام و سحر جنوری ۱۹۹۷ء

مندرجات

○ تجزیہ ۷

شام وسحر کی حکیمانہ باتیں ۹
میرزا ادیب

شام وسحر کے فکری اداریے ۱۱
ڈاکٹر آغا سہیل

اندھیرے کے جگنو ۱۳
ڈاکٹر انور سدید

حقیقت پسندانہ باتیں ۱۷
پروفیسر سجاد مرزا

○ اشاریہ ۲۳

۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۷ء کا توضیحی اشاریہ

○ بائیں (اداریے) ۵۹

۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۷ء تک کے اداریے

۱۹۸۸ء ۶۱
۱۹۸۹ء ۷۱
۱۹۹۰ء ۸۱
۱۹۹۱ء ۸۹
۱۹۹۲ء ۹۹
۱۹۹۳ء ۱۱۱
۱۹۹۴ء ۱۲۱
۱۹۹۵ء ۱۳۳
۱۹۹۶ء ۱۴۳
۱۹۹۷ء ۱۵۳

maablib.org

شام وسحر کی باتیں

ناقدین کی نظر میں

maablib.org

تجزیہ نگار

میرزا ادیب

ڈاکٹر آغا سہیل

ڈاکٹر انور سدید

پروفیسر سجاد مرزا

شام وسحر کی حکیمانہ باتیں

میرزا ادیب

ایک باشعور اور فرض شناس مدیر کی صرف یہی کوشش نہیں ہوتی کہ وہ اپنے رسالے کے قارئین کے لئے اچھے اور مفید مضامین، نظم و نثر فراہم کرے۔ یقیناً یہ اس کا ادارتی فریضہ ہوتا ہے مگر یہ فریضہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے یہ توقع بھی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ادارے میں ان تحریکات پر روشنی ڈالے، جو عہد حاضر میں ادب پر اپنے اثرات مرتب کر رہی ہیں اور دنیائے ادب میں جو کچھ ہو رہا ہے، ادب پر ان کے نتائج کا بھی تجزیہ کرے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس روایت کی ابتداء علامہ نیاز فتح پوری سے نہیں ہوئی تو کم از کم انھوں نے "نگار" کے فکر انگیز اداریوں میں اس روایت کو مستحکم کرنے میں بڑا اہم حصہ لیا ہے۔ موجودہ دور میں ہر ادبی پرچے نے تو اس روایت کو التزاماً نہیں اپنایا مگر ایک پرچہ ایسا ہے جس میں یہ روایت تسلسل سے جاری ہے اور یہ چیز اس پرچے کی خصوصی خوبی بن گئی ہے۔ یہ پرچہ ہے "شام و سحر" جس کے مدیر پروفیسر ڈاکٹر شبیہ الحسن ہیں۔ موصوف "شام و سحر" کے ہر پرچے میں "باتیں" کے عنوان سے بڑی خیال افروز اور قابل توجہ باتیں کرتے ہیں۔ ان کی ہر بات مختصر ہوتی ہے، مگر اپنے اندر خاصی جامعیت رکھتی ہے۔

"شام و سحر" کا پرچہ دیکھتے ہی میں سب سے پہلے "باتیں" کا مطالعہ کرتا ہوں اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ پروفیسر شبیہ الحسن نے اپنے ہر اداریے میں کوئی نہ کوئی ایسا موضوع ضرور چھیڑا ہے جو ادبی مسائل کے حوالے سے اہم بھی ہے اور بھرپور توجہ کا متقاضی بھی۔ اس وقت میرے سامنے "شام و سحر" کے پرچے پڑے ہیں۔ میں ایک بار پہلے بھی

ان پرچوں کے سارے اداریوں کا مطالعہ کرچکا ہوں اور آج پھر ان پر فرداً فرداً نظر ڈالی ہے۔ پروفیسر صاحب ایک باخبر، حساس اور بڑے ذمے دار مدیر ہیں۔ صرف یہی نہیں، اُکے پہلو میں ایک دل دردآشنا بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ادبی مسائل پر گفتگو کرنا کوئی اتنا مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اہم مسئلہ اس وقت بنتا ہے، جب کوئی لکھنے والا کسی مسئلے پر لب کشائی کرتے وقت، اس کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھ کر کچھ کہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنے اداریے میں کم سے کم الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر جو لفظ بھی ان کے قلم سے نکلتا ہے۔ اس کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ اگر اس لفظ کو تحریر سے الگ کردیا جائے تو وہ ایک نمایاں خلا محسوس ہونے لگے گا۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی باتیں، حکیمانہ باتیں ہیں یہ گہری سوچ کی شاہد ہیں اور یہ گہری سوچ پڑھنے والوں کو کچھ سوچنے کی ترغیب دیتی ہیں، ان کی بڑی افادیت ہے اور اسے کسی صورت بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

شام و سحر کے فکری اداریے

ڈاکٹر آغا سہیل

"شام و سحر" ایک ایسا ادبی مجلہ ہے جو پابندی وقت کے ساتھ ہر ماہ تواتر سے شائع ہوتا ہے اور چند صفحات میں معیاری تخلیقات پیش کرتا ہے۔ تخلیقات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کے مرقوم اس کے مختصر اداریے بھی انتہائی پر مغز اور اہم موضوعات پر قارئین ادب کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ ان اداریوں میں نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ کسی نہ کسی مسئلہ پر توجہ دی گئی ہے جس میں ادب کی خدمات کے لئے نئے عزائم بھی ہیں' ادیبوں کے باہمی تنازعات سے ادب کو جو نقصان پہنچ رہا ہے' اس پر توجہ بھی دی گئی ہے۔ اشتہارات کے حصول میں سیاسی مصالح کو ارباب اختیار جس طرح دخل دیتے ہیں اس کا ذکر ہے' مہذب معاشرے کی تشکیل میں بزرگوں کے آراء کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ علمائے سوء کی طرح مالی منفعت کی طمع میں خالقین ادب جس طرح مبتلا ہو کر تخلیق ادب کے فرائض انجام دے رہے ہیں' اس سے ادب کو اور معاشرے کو جو جو نقصانات پہنچ رہے ہیں' ان پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ آمریت اور تمرد کے خلاف

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو مثالی قربانی پیش کی وہ شعر و ادب کی تخلیق میں نہایت وقیع مقام کی حامل ہے۔ بیشتر معاشرے میں انسان اپنی ذات کے بطون میں سمٹتا اور سکڑتا چلا جاتا ہے اور معاشرے سے اس کا رابطہ ٹوٹتا چلا جاتا ہے' جو ایک المیہ ہے اور اس طرح ادیب مسائل حاضرہ سے چشم پوشی کر کے ایک جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض ادباء اور شعراء تازہ ادبی مسائل اور معاشرتی مسائل حاضرہ کو نظر انداز کر کے اپنی پرانی تخلیقات کو نئے ناموں سے بار بار چھپوا رہے ہیں اور اس تکرار سے تکدر کے سوا کچھ حاصل

نہیں ہو رہا ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ اس نظریے کا قائل ہے کہ گمنامی کی گرد جھاڑ کر ادیبوں اور شاعروں کو دریافت کیا جائے اور انکے افکار و نظریات کے احیاء سے سوسائٹی کو فائدہ پہنچایا جائے۔ ادیبوں کو حالیہ کانفرنس کو زیادہ کار آمد اور مفید بنانے کے سلسلے میں کچھ تجاویز مدیر "شام و سحر" نے بھی پیش کی ہیں اور آخر میں ادب ' ادیب اور قارئین کے باہمی روابط سے صحت مند مقصدی ادب کی تخلیق کے تعین میں آسانی پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

دراصل یہ مختصر شذرات ہیں ' جو بہترین مقصدی ادب کی تخلیق میں بالواسطہ اور بلاواسطہ مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ اگر بہ یک نظر از اول تا آخر ان پر توجہ کی جائے تو آئندہ کے لئے اصلاحی راستے کھل سکتے ہیں۔

اندھیرے کے جگنو

ڈاکٹر انور سدید

کسی ادبی پرچے کا اداریہ بنیادی طور پر مدیر کا ذاتی صفحہ ہوتا ہے جس پر مدیر کو دنیا کے ہر موضوع پر بالعموم اور ادبی مسائل و افکار پر بالخصوص اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ "ادبی اداریہ" میں مدیر "واحد متکلم" میں بات کرنے کے بجائے قارئین کو جمع متکلم کے لفظ "ہم" سے مخاطب کرتا ہے تاہم اس "ہم" کا استعمال "جلال شاہانہ" کی نمائش نہیں بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ زیر بحث مسئلہ صرف مدیر کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کی نوعیت اجتماعی ہے اور ادارتی صفحے سے تنہا مدیر کی آواز نہیں آ رہی بلکہ وہ سب آوازیں اٹھ رہی ہیں جو زیر بحث مسئلے سے متعلق اور متفق ہیں۔ اداریے سے اختلاف کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اداریہ تو وہ کھڑکی ہے، جس سے خیال کا نیا جھونکا رسالے کے صفحات سے نکل کر بیرونی دنیا میں پھیل جاتا ہے اور بعض اوقات اختلاف رائے سے مزید نئے خیالوں، نئے زاویوں کی انگیخت دیتا ہے۔ اس قسم کی بحث بالعموم آئندہ مہینوں میں خطوط کے حصے میں نمایاں ہوتی اور ادبی دلچسپی کا سامان فراواں پیدا کرتی ہے۔ اس زاویے سے دیکھئے تو ادبی پرچے کا اداریہ اس کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ یہ ادب کا سمت نما بھی ہے اور اکثر اوقات ادبی رجحانات اور تحریک کو بھی جنم دیتا ہے۔

یہاں مجھے اس حقیقت کا اظہار بھی کرنا ہے کہ اب کچھ عرصے سے ادبی رسائل سے "اداریے" غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض ادبی پرچے اس کمی کو کسی موضوعاتی مقالے سے پورا کرتے ہیں۔ فرض کفایہ کی ادائیگی میں مقالہ نگار کو بطور "مہمان مدیر" پرچے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ میں نے اس روش کے خلاف "احتجاج" کرتے ہوئے لکھا تھا

کہ ادبی رسالے اب "پوسٹ آفس" بن گئے ہیں۔ قلمی معاونین سے ڈاک وصول کی جاتی ہے۔ زیور طبع سے آراستہ کرانے کے بعد پوری ایمانداری سے قارئین تک پہنچا دی جاتی ہے۔ چنانچہ بیشتر ادبی رسائل "بے سمت" ہو گئے ہیں۔ اس سے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ محترم "مدیر" خود فکری اعتبار سے بانجھ ہیں۔ ان کے پاس کہنے کے لئے' قارئین کو رستہ دکھانے اور ادب کی راہنمائی کرنے کے لئے اکثر نہیں' ان کا کیسہ دماغ خالی ہے۔ میں نے اپنے ایک دوست مدیر سے گزارش کی کہ کبھی ہمیں اپنے خیالات سے بھی نوازیے! بڑی آسانی سے بولے' بہت مرتبہ بار چکے ہیں' نتیجہ کچھ نہیں نکلا" میں نے مولانا صلاح الدین کی مثال دی کہ وہ "ادبی دنیا" کی "بزم ادب" میں کس خوبصورت انداز میں موضوعات پر قلم اٹھاتے اور لکھنے والوں کی تخلیقات کا تعارف کراتے تھے۔ ان کا دور اب تک ادبی لحاظ سے توانا اور فکری لحاظ سے منور نظر آتا ہے۔ ہنس کر بولے۔

"بھئی! میں مولانا صلاح الدین احمد تو نہیں ہوں۔"

اس ادبی پرچے میں تاحال مدیر کے اپنے لکھے ہوئے اداریے کی مشعل روشن نہیں ہوئی' یہ کام انہوں نے مہمان مدیران کو سونپ رکھا ہے۔

"شام و سحر" بے قاعدگی سے چھپنے والا ضخیم ادبی جریدہ نہیں۔ یہ ماہ بہ ماہ باقاعدہ چھپنے والا کم ضخامت ایک ایسا جریدہ ہے' جسے آپ آسانی سے اٹھا سکتے ہیں' گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر پڑھ سکتے ہیں۔ سفر اور حضر میں معاون بنا سکتے ہیں' لیکن اسے آلہ ضرب کے طور پر استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس کے ہر پرچے میں "باتیں" کے عنوان سے اداریہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جو قاری اور مدیر اور ادیب اور مدیر کے درمیان بھی رابطے کا وسیلہ بنتا ہے۔ ادبی پرچوں کی بدحالی اور بے قاعدگی کے دور میں یہ حقیقت معجزہ معلوم ہوتی ہے کہ "شام و سحر" کے سالانہ بارہ پرچے شائع ہوتے ہیں "شام و سحر" کے اداریے بنیادی طور پر "مسائل" کے اداریے ہیں۔ یعنی وہ

مسائل جن سے ادبی دنیا فی الوقت دو چار ہے اور جو ادب کے صحت مند ارتقاء میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر مدیر "شام و سحر" ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ہمیں مصائب سے آگاہ کرنے اور ادب کے راستے سے خار و خس ہٹانے کا مشورہ دیا ہے اور مشورہ دینے کا انداز چونکہ جارحانہ نہیں بلکہ شائستہ ہے' اس لئے بات دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شمارے میں کتابوں کی رونمائی کی تقریبات کی "بدعت" پر اداریہ لکھا گیا۔ ایک شمارے میں ادیب سے جلب شہرت و منفعت کے منفی رجحان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ایک اداریے میں "نعرہ باز ادب" پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ایک پرچے میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ "معاشرہ تخلیق کار کی پذیرائی سے گریزاں کیوں ہے؟" ادبی رسالے سے قاری اور حکومت کے اغماض کے علاوہ ڈائجسٹوں کے فروغ اور ادبی رسائل کے زوال آمادگی اور خود ستائشی' خود تشہیری اور خود نمائشی" جیسے منفی زاویوں کو روبہ منظر لانے کی سعی بھی کی گئی ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب مسائل نئے نہیں لیکن کیا آپ نے ان مسائل پر کبھی غور کیا ہے؟ انہیں رفع کرنے کی کبھی کوشش کی ہے؟ مدیر "شام و سحر" نے یہ مسائل چھیڑ کر یقیناً موجودہ دور کا سرسید احمد خان بننے کی کوشش نہیں کی' لیکن انہوں نے قاری اور ادیب کے سوئے ہوئے احساس کو جگانے کی سعی ضرور کی ہے۔

میرے سامنے بیشتر اداریے موجود ہیں' جن پر مجھے اظہار خیال کرنا ہے۔ مجھے بات کو پھیلانے کے بجائے "شام و سحر" کے اداریے جیسا اجمال برتنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس لئے بات کو سمیٹتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ "شام و سحر" کے اداریے اندھیرے کے جگنو ہیں' جو چمکتے ہیں تو اندھیرا روشن ہو جاتا ہے' بجھ جاتے ہیں تو تاریکی دبیز ہو جاتی ہے۔ میرے دوست حیدر قریشی اور راغب شکیب نے "اوراق" کے اداریوں کی کتاب "پہلا ورق" شائع کی تو میں نے لکھا تھا کہ "پہلا ورق" کی بحث سے مجھے کئی نئے موضوعات پر لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ خیال کو کروٹ دینے کا زاویہ "شام و سحر" کے اداریوں میں بھی

موجود ہے لیکن ان اداریوں میں چونکہ ادبی معاشرے کو زیادہ موضوع بنایا گیا ہے، اس لئے یہ عمل کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ڈاکٹر شبیہ الحسن مدیر "شام و سحر" نے ان اداریوں میں "سفینۂ غم دل رواں" کیا ہے۔ اور انہیں توقع ہے کہ۔

ع۔ "کہیں تو ہو گا شب ست موج کا ساحل"

maablib.org

حقیقت پسندانہ باتیں

پروفیسر سجاد مرزا

کسی جریدے کا اداریہ اس کے مدیر کے ذہنی رجحانات ہی کا عکاس نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس منظر میں کسی نظریے یا مکتبہ خیال کی نشاندہی بھی کی جاسکتی ہے۔ رسائل و جرائد کے اداریے ان کے تخلیق کاروں اور قارئین کے درمیان ایک بلاواسطہ رابطے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ سمجھدار مدیر اپنے قارئین سے براہ راست ایک خوشگوار تعلق کی راہ ہموار کرلیتا ہے اور باہمی اعتماد کی یہ فضا بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل بھی نکال لیتا ہے۔

ہم نے وہ دور بھی دیکھا ہے' جب مولانا صلاح الدین احمد کے "ادبی دنیا" اور ان کے اداریے "بزم ادب" کا بڑا شہرہ تھا۔ اس میں ان کے شریک مدیر ڈاکٹر وزیر آغا بھی اپنے دل کی باتیں تخلیق کاروں اور ان کی تخلیقات کے حوالے سے کھل کر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس دور میں نقوش' ادب لطیف' افکار' رنگ زمانہ' تہذیب و ادب' فیض الاسلام' الرشید' گجر' محفل' اسلوب' سویرا' مینار اور نقیب کے پر مغز مختصر اداریے دامن کش دل ہوا کرتے تھے۔ پھر ادبی رسائل و جرائد سے اداریہ نویسی کا رجحان کم ہونے لگا اور اسے خالص صحافتی چیز تصور کیا جانے لگا۔

اداریہ نویسی کی روایت کو "فنون" اور "اوراق" نے دوبارہ زندہ کیا اور ان جرائد نے کشادہ نظری کو راہ دی۔ ان کی پیروی میں تخلیق' ابلاغ' غنیمت' تجدید نو' منشور' صریر' شام و سحر' مفیض اور دیگر ادبی رسائل کے بالغ نظر مدیران نے بلند فکری' روشن خیالی' غیر جانب داری اور خرد افروزی کے فروغ کے لئے اپنے اداریوں کو وسیلہ اظہار بنایا۔

افکار' صریر اور مفیض کے اداریے مستقل توجہ کے مضامین کی ذیل میں

آتے ہیں۔ محدود ضخامت کے پرچوں کے اداریے اختصار اور اجمال کی ایک خوبصورت مثال ہوتے ہیں۔ "شام و سحر" کے اداریے اس قبیل میں شامل ہیں۔

جنوری ۱۹۹۳ء کے اداریے "باتیں" میں "شام و سحر" کے مدیر ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔

"شام و سحر کم صفحات کا حامل ادبی ماہنامہ ضرور ہے لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے یہ ضخیم رسائل کے ہم پلہ ہے۔ اس جریدے کو کسی قسم کی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ اسے نہ تو اشتہارات ملتے ہیں اور نہ ہی رعایتی نرخوں پر کاغذ میسر ہے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی ہم یہ رسالہ مسلسل نکال کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جہاد میں کامیابی وسائل سے نہیں' ثابت قدمی سے حاصل ہوتی ہے۔"

مدیر "شام و سحر" نے مذکورہ اقتباس میں اس قبیل کے محدود وسائل رکھنے والے بہت سے رسائل کے مدیران کے دل کی بات کہہ دی ہے۔

فروری ۱۹۹۳ء میں مدیر "شام و سحر" نے ایک اہم مسئلے کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔

"تخلیق کاروں کی باہمی آویزش نے معاشرے میں ادیب کے مقام کو انتہائی پست کر دیا ہے۔ معمولی سی رنجش کو بنیاد بنا کر یہ ادیب ایک دوسرے کے خلاف طنز و تعریض کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ (اخباری) کالموں کے پیٹ نفرت آمیز مواد سے بھر دیئے جاتے ہیں اور ذاتی مخاصمت کو قومی اور نظریاتی لڑائی بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

گروہ بندیوں نے ادب اور ادیب کو کتنا نقصان پہنچایا ہے' اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آج کا قاری ادب اور ادیب سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہے تو اس سے شکایت کیسی؟

مارچ ۱۹۹۳ء کے "شام و سحر" میں ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ایک عام المیے کی جانب

اشارہ کیا ہے:۔

"ادبی رسائل کی ترتیب و اشاعت جان جوکھوں کا کام ہے۔ مواد کے حصول سے لے کر قارئین تک رسالے کی ترسیل جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ حکومت ادبی رسالوں کو خاطر میں نہیں لاتی اور حکومت کی منظور نظر تشہیری کمپنیاں صرف ان رسالوں کو اشتہارات سے نوازتی ہیں جو محض حکومتی پالیسیاں اجاگر کریں اور حکومت کے ہر جائز و ناجائز کام کو صحیفہ آسمانی کے مطابق ثابت کر دیں۔"

اس طرز عمل کے دیگر بہت سے رسائل بھی شاکی ہیں۔ وہ اکثر اپنے اداریوں میں اس بات کا برملا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

مئی ۱۹۹۴ء کے اداریے میں مدیر "شام و سحر" رقمطراز ہیں:۔

"یہ امر انتہائی افسوسناک کہ عصر حاضر میں پاکستانی ادیب اپنے فرائض سے غافل ہو کر مالی منفعت کے حصول میں تمام اخلاقی و ادبی روایات کو پامال کر رہے ہیں۔ اگر یہ صورت حال کچھ عرصہ مزید جاری رہی تو معاشرے سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا خاتمہ ہو جائیگا اور ادب اپنی افادیت کھو بیٹھے گا۔"

کسی رسالے کے مدیر کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عصری مسائل کی شدت سے بھی اپنے قارئین کو آگاہ کرتا رہے۔ مدیر "شام و سحر" ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنے اس فریضے سے غافل نہیں ہیں اور وہ اپنے قارئین کو ہمراہ لے کر چل رہے ہیں۔ جولائی ۱۹۹۴ء کے

اداریے میں وہ دعوت دیتے ہیں:۔

"آیئے عہد کریں کہ ہم ذاتی معاملات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ملکی اور قومی مفادات کا خیال رکھیں گے اور معاشرتی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہیں گے۔"

اگست ۱۹۹۴ء کا اداریہ بھی متذکرہ صدر بات کی طرف اشارہ کناں ہے:۔

"ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے مسئلہ کے حل میں دوسرا دلچسپی لے، اس صورت حال میں لوگ ادیبوں اور شاعروں کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح حالات کی تخلیق کو شیریں بنانے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ ہمارے ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال کی نزاکت کا احساس کریں اور ادب اور معاشرے سے باہمی تعلق کو مضبوط تر بنانے میں اپنا فعال کردار ادا کریں۔"

ایک اور انتہائی بری صورت حال کی جانب مدیر "شام و سحر" نے توجہ دلائی ہے اور اس بری رسم کو روکنے کی استدعا کی ہے:۔

"ہمارے تخلیق کاروں کو اپنی زندگی ہی میں کلیات چھپوانے کا "جنون" پیدا ہو گیا۔ ایک زمانے میں رحلت کے بعد کلیات کی اشاعت اس لئے قابل تحسین سمجھی جاتی تھی کہ اس طرح تخلیق کار کا مکمل تخلیقی سرمایہ قاری کے سامنے آ جاتا تھا اور وہ اس کے حسن و قبح کا جائزہ لے کر تخلیق کار کے بارے میں حتمی

رائے قائم کرلیتا تھا۔ زندگی میں کلیات کی اشاعت نے قاری کو الجھن میں ڈال دیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ شاید اس کلیات کے خالق کا تخلیقی سفر ختم ہوگیا ہے۔ تخلیق کاروں سے التماس ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا فاتحہ خود نہ پڑھیں دوسروں کو بھی اس کا موقع فراہم کریں۔"

اکتوبر ۱۹۹۳ء کا اداریہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں شبیہ الحسن نے عہد حاضر کے ناقدین کے حتی رویوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے لکھا ہے:۔

"آپ عصر حاضر کے ناقدین کی تخلیقات کا بنظر غائر مطالعہ فرما لیجئے۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ بیشتر ناقدین نے دوسروں کے چراغ سے اپنے فکری چراغ روشن کئے ہیں۔ ناقدین ادب سے ہماری التماس ہے کہ وہ اپنے مقام و منصب کو پہچانیں اور غیر جانب داری کے ساتھ تخلیق کاروں کو ان کا جائز مقام عطا کریں۔ اگر ناقدین نے یہ مخلصانہ روش اختیار نہ کی تو آنیوالا وقت انھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

اکتوبر ۱۹۹۳ء میں منعقد ہونے والی "کانفرنس" کا تمام حال واحوال سامنے آچکا ہے۔ اس کی مدح سرائی کرنے والے بھی موجود ہیں اور اس میں نقائص تلاش کرنے والے بھی اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کرچکے ہیں۔ نومبر ۱۹۹۳ء کے اداریے میں مدیر "شام و سحر" شبیہ الحسن نے اس حوالے سے سرکار کو مشورہ دیا۔

"ارباب اختیار سے گزارش ہے کہ وہ قومی ادبی کانفرنس منعقد

کرتے ہوئے سینئر ادیبوں اور دانش وروں کے مشوروں سے
کوئی حتمی پروگرام وضع کریں لے تاکہ اس کے مثبت نتائج
سامنے آئیں' موجودہ طرز عمل سے ادیبوں کے شکم پر اور ذہن
خالی ہوتے جا رہے ہیں۔"

سال کے آخری شمارے میں مدیر "شام و سحر" نے تحریر فرمایا:۔

"کسی بھی باشعور معاشرے میں ادیب' ادب اور قاری کی تکون
بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس تکون میں قاری کی حیثیت
اس اعتبار سے کلیدی ہو جاتی ہے کہ اس کے تقاضوں سے ادب
اور ادیب اپنا اپنا رخ تبدیل کر لیتے ہیں۔ اگر قارئین باذوق
ہوں تو معاشرے میں مثبت طرز فکر کا حامل ادب تخلیق پاتا
ہے۔"

مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی ادبی جریدے کی پالسی
اور ادبی جہت کا اندازہ اسکے مدیر کے لکھے ہوئے محتاط اور متوازن اداریوں سے کیا جاسکتا
ہے۔

اشاریہ

۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۷ء کا توضیحی اشاریہ

۱۹۸۸ء

جنوری ۸۸ء تا دسمبر ۱۹۸۸ء

جنوری 'فروری ۱۹۸۸ء

اہم نکات

ادبی رسالے کا اجراء جہاد و قرار دینا۔ ماہنامہ شام و سحر میں عصری رجحانات و میلانات پیش کرنے کا اعلان۔ قارئین اور تخلیق کاروں سے معاونت کی استدعا

مارچ 'اپریل ۱۹۸۸ء (ظہیر کاشمیری نمبر)

اہم نکات

اردو شعر و ادب میں ظہیر کاشمیری کا معتبر نام۔ ظہیر کاشمیری کے ترقی پسند نظریات کی اہمیت۔ ظہیر کاشمیری کے تخیل کی تجزیاتی اور ترکیبی قوتوں کے کھوج کے لیے ماہنامہ شام و سحر کا ظہیر کاشمیری نمبر شائع کرنا

مئی ۱۹۸۸ء

اہم نکات

ادبی جرائد کی تشویش ناک صورت حال۔ حکومت کی رسائل کے مسائل سے عدم دلچسپی اور چشم پوشی۔ باقاعدہ نکلنے والے رسائل کا بدحال ہونا۔ رسائل کو بہتر بنانے کے لئے چند تجاویز۔ ان ادبی رسائل کے خاتمے سے بڑی تہذیب کا ختم ہونا

جون ۱۹۸۸ء (جعفر طاہر نمبر)

اہم نکات

شعر و ادب کی علمی، تہذیبی اور تخلیقی فضا قائم کرنے کے لئے تخلیق کاروں کی ادب سے "کومٹ منٹ"۔ باقی رہنے والے ادب میں قوت و تاثیر کی ضرورت۔ خلوص عمل اور انکسار سے کام جاری رکھنا۔ معروف شاعر جعفر طاہر کی شخصیت اور فن پر رسالے کا نمبر نکالنے کی غرض و غایت۔

جولائی ۱۹۸۸ء

اہم نکات

اشتہاری ادیبوں کے گرد و غبار میں معتبر تخلیق کاروں کا چھپ جانا۔ غیر معروف تخلیق کاروں کے افکار عالیات کی پیشکش کا اعلان۔ ہماری ثقافت اور ادبی روایت کو خون سے سینچنے والے تخلیق کاروں کی تخلیقات سے ماہنامہ شام و سحر کو مزین کرنے کا عزم۔

اگست، ستمبر ۱۹۸۸ء (محرم نمبر)

اہم نکات

محرم میں ان مرنے والوں کو یاد کرنا جو جینے کا سبق دے گئے۔ حسینؑ کا ریگزار کربلا پر زندگی اور موت کا تضاد حل کرنا۔ حسینؑ کی شہادت تخلیق بھی ہے اور تخلیقی عمل بھی۔ حسینؑ کا خود مر کے اسلام زندہ کرنا۔

اکتوبر ۱۹۸۸ء

اہم نکات

عصر حاضر میں تخلیقی ذہن کے قحط کا سامنا۔ پورے معاشرے میں بنجرپن کا ہونا، باہر کی زمینوں کا سیم و تھور ہماری باطنی زمینوں کی شوریدگی کا

شاخسانہ ہے۔ فنی ریاضت کے بغیر کتابوں کی اشاعت اور تخلیق کاروں کا راتوں رات صاحب کتاب ہو جانے کی خواہش۔ ہرمن ہیسے کے ناول میں ایک ہیرو "سدھارتا" کا یہ قول کہ دوسروں کی نسبت اس کے پاس علم بھوک اور انتظار کا ہونا اس کی عظمت کا سبب۔ عصر حاضر میں ان تینوں چیزوں کا معاشرے سے غائب ہونا۔

نومبر ۱۹۸۸ء

اہم نکات

رسالے کا مالی بحران۔ موقف کی تائید میں معروف دانشور مشفق خواجہ کا مکتوب من و عن شائع کرنا۔ مشفق خواجہ صاحب کا رسالے کو مالی بحران سے نکالنے کے لئے اعزازی رسالہ لینے سے انکار اور زر سالانہ روانہ کرنا۔

دسمبر ۱۹۸۸ء (عظیم قریشی نمبر)

اہم نکات

بنجر زمینوں کے سیم تھور کی طرح ذہن کے سیم تھور کا قوم کی زندگی کو غیر تخلیقی بنا دینا' جمہوریت اور آمریت کا موازنہ' جمہوریت سے ذہنی معیارات کا بلند ہونا' تہذیبی نشوونما کا فروغ پانا' غیر تخلیقی رویوں کی بیخ کنی' معروف نظم نگار عظیم قریشی کی شخصیت اور فن پر رسالے کی خصوصی اشاعت۔

۱۹۸۹ء

(جنوری ۱۹۸۹ء تا دسمبر ۱۹۸۹ء)

جنوری ۱۹۸۹ء

اہم نکات

طویل آمریت کے بعد جمہوریت کا بحال ہونا' جس کے بعد بارش کا پہلا خوشگوار قطرہ حکومت کے حالیہ مثبت اقدامات' ادبی رسائل کی طرف بھی جمہوری حکومت کی توجہ دلانا' نئے سال کی مبارکباد اور رسالے کی تاریخ میں پہلے مرتبہ پورے سال کا اشاریہ "رفتار شام و سحر" کے عنوان سے مرتب کرنا۔

فروری مارچ ۱۹۸۹ء (ساحر لودھیانوی نمبر)

اہم نکات

ادبی رسائل کا قحط اور تخلیقی اذہان کا رفتہ رفتہ بنجرپن کا شکار ہونا تخلیق کاروں کو گروہ بندیوں سے ماورا ہو کر تخلیقی کاوشیں جاری رکھنے کی تلقین' برصغیر کے ممتاز شاعر اور گیت نگار ساحر لودھیانوی کی شخصیت اور فن کی مختلف جہتوں کا سراغ لگانے کے لئے ساحر لودھیانوی نمبر کی اشاعت۔

اپریل ۱۹۸۹ء

اہم نکات

جمہوریت کی بحالی اور نئے فکری اور جمہوری اقدار کی ضرورت' جمہوری اداروں کے استحکام کی ضرورت' ادیبوں کے لئے مناسب حالات اور ماحول فراہم کرنا جمہوری حکومت کا اولین فریضہ۔ تہذیبی زندگی کو نئی سمت دلانے کے لئے ماہنامہ شام و سحر کی خدمات کی پیش کش۔

مئی ۱۹۸۹ء

اہم نکات

شعر و ادب دراصل تخلیق کار کے نقطہ نظر کی ترسیل کا ذریعہ اپنا نقطہ نظر دوسروں پر زبردستی ٹھونسنا ادبی بددیانتی ناقدین کو تخلیق کے حسن و قبح پر زبانی کے بجائے تحریری گرفت کرنا چاہیے۔ تعمیری اختلاف کی اہمیت اور تخریبی اختلاف کے منفی پہلو سے بچنے کی تلقین۔

جون ۱۹۸۹ء

اہم نکات

برصغیر پاک و ہند میں ادبی رسائل کا فکری انقلاب برپا کرنا۔ ادبی رسالے کا اولین فریضہ معاشرے میں علمی' تہذیبی اور تخلیقی فضا قائم کرنا۔ رسالوں کا دھڑے بندیوں' سطحی سیاست اور خود نمائی کا شکار ہو کر اپنی افادیت کا کھو بیٹھنا' عصر حاضر کے رسائل کا فرض قاری اور ادب کا ٹوٹا ہوا رشتہ بحال کرانا۔

جولائی ۱۹۸۹ء

اہم نکات

ادبی رسائل کا تہذیبی علامت کے ساتھ ساتھ معاشرتی ضرورت ہونا۔ بعض اصحاب کا کم ضخامت کے رسالوں کو حقیر جاننا' برصغیر میں مختصر جسامت کے رسالوں سے انقلاب برپا ہونا۔ رسالوں کی اہمیت و افادیت کو قبول کر کے اپنے متعصبانہ اور مفسدانہ نظریوں کی اصلاح۔

اگست' ستمبر ۱۹۸۹ء (محرم نمبر)

اہم نکات

کرب و بلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی تاریخی'

تہذیبی اور سماجی معاملات کی نشاندہی' ریگزار کربلا پر مقدس لہو سے لکھا ہوا منشور حیات مشعل راہ۔ اسوہ شبیر اپنانے کے لئے آمادہ رہنا۔

اکتوبر ۱۹۸۹ء

اہم نکات

عصر حاضر کے تخلیق کاروں کا اپنے عہد کے مسائل کی پیش کش سے پہلو تہی کرنا۔ سنجیدہ ادب کا مطالعہ کرنے والے قارئین میں روز بروز کمی اور مخرب اخلاق رسائل کا فروغ۔ زمانہ حال کے تخلیق کاروں کو گردوپیش کے مسائل اور ان کے حل کے لئے تجاویز پیش کرنے کی تلقین۔

نومبر ۱۹۸۹ء

اہم نکات

شخصی پسند و ناپسند کو معیار بنا کر اداروں کو بدحال کرنا۔ افراد کے آنے جانے سے اداروں میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل ہونا ادبی اداروں میں انتظامی تبدیلیاں' نئے عہدیداروں کو علمی' ادبی تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے اداروں کو مستحکم کرنے کی تلقین۔

دسمبر ۱۹۸۹ء (حلقہ ارباب ذوق نمبر)

اہم نکات

اردو ادب میں حلقہ ارباب ذوق کی اہمیت و افادیت حلقہ کا سب سے بڑا کارنامہ' شعور کی بیداری' حلقے کی پچاس سالہ علمی و ادبی خدمات کا اعتراف' اپنا خون جگر دے کر حلقہ ارباب ذوق کو روشن و تاباں کرنے والوں کو فراموش نہ کرنے کی تلقین' ماہنامہ شام و سحر کا حلقہ ارباب ذوق نمبر شائع کرنا۔

۱۹۹۰ء

جنوری ۹۰ء تا دسمبر ۱۹۹۰ء

جنوری' فروری ۱۹۹۰ء (شیر افضل جعفری نمبر)

اہم نکات

ادبی مراکز سے دور بسنے والے تخلیق کاروں کی گمنامی' ذرائع ابلاغ پر مخصوص شعراء اور ادباء کی اجارہ داری' قاری کے لئے کھوٹے کھرے کی پہچان میں دشواری' ادبی مراکز سے دور تخلیقی کارنامے سرانجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت۔ اردو کے منفرد مزاج کے شاعر شیر افضل جعفری کی شخصیت اور فن پر ماہنامہ شام و سحر کا "شیر افضل جعفری نمبر" شائع کرنا۔

مارچ ۱۹۹۰ء

اہم نکات

جمہوری حکومتوں کا ادبی رسائل کا عرصہ حیات تنگ کرنا' ان رسائل کو طرح طرح کی دقتوں کا سامنا۔ ادبی رسائل کا علم دوستی اور ادب پروری کا آئینہ دار ہونا۔ رسائل کے مسائل معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی تجویز' حکومت کی مسلسل عدم توجہی سے ادبی رسائل کے بند ہونے کا خطرہ۔

اپریل ۱۹۹۰ء

اہم نکات

ادبی رسائل کے ساتھ حکومت کا غیر ہمدردانہ رویہ ڈاک کے محکمہ کا نیا

قانون' ادبی رسالوں پر ایک اور ضرب کاری' دو ماہ کے رسالے اکٹھے کر کے خاص شمارہ یا خصوصی مطالعے کے طور پر شائع کرنے پر پابندی کے مضر اثرات حکومت سے گزشتہ طریقہ کار کی بحالی کی درخواست' شام و سحر میں ادبی مباحث کے اجرا کا اعلان۔

مئی' جون ۱۹۹۰ء (قیصر بارہوی نمبر)

اہم نکات

اردو شاعری میں غزل و مرثیہ کے معتبر شاعر قیصر بارہوی کا مقام و مرتبہ۔ قیصر بارہوی کی پچاس سالہ علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ماہنامہ شام و سحر کا خراج تحسین۔ کسی زندہ تخلیق کار کی ہنرمندی کا اعتراف اپنے زندہ ہونے کی علامت۔ تخلیق کار کو اپنے بارے میں معاصر ناقدین کی آرا کا علم ہونا اور اپنے لئے راہ عمل کے تعین میں آسانیاں' قیصر بارہوی کو اپنے افکار عالیات کو عوام الناس کی فلاح کے لئے پیش کرنے کی تلقین۔

جولائی ۱۹۹۰ء

اہم نکات

معاشرے میں چیزوں کو سطحی نگاہ سے دیکھنے کا رواج۔ ہمارا رشتہ اپنی دانشورانہ تہذیبی روایت سے منقطع ہونا۔ عصر حاضر میں مطالعہ کے شوق کا خاتمہ اور لکھنے والوں کی بہتات' مطالعاتی ریاضت کی ضرورت' فقط تحریروں کی اشاعت پر اصرار نہ کرنا' بے مصرف تحریریں تخلیق کار کے لئے باعث رسوائی۔

(نوٹ) بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اگست ۱۹۹۰ء کا شمارہ شائع نہیں ہو سکا۔

ستمبر ۱۹۹۰ء (محرم نمبر)

اہم نکات

سید الشہدا امام حسین کا دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنا' حسین و یزید دو علامتیں۔ حسین کا حق و صداقت اور ایثار و قربانی جبکہ یزید کا ظلم وشقاوت اور جبر و بربیت کی علامت بن کر ابھرنا واقعہ کربلا کے ذریعے دو راستوں کا طے ہونا۔ عصر حاضر میں یزیدیت کا سامنا اور حسینی فکر و عمل اپنانے کی ضرورت۔ شمع صداقت و حریت فکر کو روشن رکھنے کی تلقین۔

اکتوبر ۱۹۹۰ء

اہم نکات

عصر حاضر کی غیر یقینی صورتحال کا ادب کو متاثر کرنا' ادیبوں کا سیاسی جماعتوں سے تعلق استوار کر کے شہرت حاصل کرنا۔ ادیب کی فطری آزادی کا سلب ہونا اور ادب کا جذباتی نعروں کی زد میں آنا۔ ادیبوں کو دیانتداری سے اپنے نظریات پیش کرنے کی تلقین۔

نومبر ۱۹۹۰ء

اہم نکات

عصر حاضر میں سیاسی تبدیلیاں اور ادبی "ہارس ٹریڈنگ" ہوا کے رخ پر بدلنے والے تخلیق کاروں کے رویوں کے ادب اور قارئین پر مضر اثرات۔ قارئین کو چولا بدلنے والے تخلیق کاروں پر کڑی نگاہ رکھنے کی تلقین۔

دسمبر ۱۹۹۰ء

اہم نکات

مہذب معاشرے میں تخلیق کاروں کی حوصلہ افزائی اور مراعات

ہمارے معاشرے کا سب سے مظلوم طبقہ تخلیق کار' تخلیق کاروں کی فلاح کے لئے حکومتی منصوبوں سے مخصوص لوگوں کو فوائد۔ مفاد پرست اور خوشامدی تخلیق کاروں کے چنگل سے نکل کر حکومت کو حقیقی فنکاروں کی خدمت کرنے کی تلقین۔

۱۹۹۱ء

جنوری ۹۱ء تا دسمبر ۱۹۹۱ء

جنوری ۱۹۹۱ء

اہم نکات

عصر حاضر کی خراب اخلاقی صورت حال کے ادب پر اثرات۔ عام تخلیق کار کا خود کو علامہ اور اپنی تحریر کو حرف آخر سمجھنا' کسی غیر جانبدار نقاد کی گرفت اور خود ساختہ تخلیق کار کا مرنے مارنے پر کمربستہ ہو جانا۔ اس بدترین صورت حال کا ذمہ دار نقاد ہے یا قاری یا تخلیق کار۔ ادبی اقدار کو زوال سے بچانے کے لئے مثبت تنقید سننے کا حوصلہ پیدا کرنے کی ضرورت۔

فروری ۱۹۹۱ء

اہم نکات

ادبی رسائل کا باقاعدگی سے شائع کرنا جہاد ہونا۔ حکومت کی عدم توجہی سے ادبی رسائل کا بند ہو جانا۔ ڈاک کے محکمے کے ضرر رساں قوانین' رسالے کا مخصوص ڈاک خانے سے پوسٹ ہونا' دو ماہ کا رسالہ اکٹھا

بھیجنا' رسالے کی ترسیل کے لئے مخصوص تاریخ میں توسیع نہ دینا۔ غیر فطری اور غیر منصفانہ قوانین کے خاتمے کی ضرورت۔

مارچ ۱۹۹۱ء

اہم نکات

عصر حاضر میں "زرد صحافت" کے معاشرتی نقصانات کے ساتھ ادب پر منفی اثرات۔ ستائش باہمی' ذاتی تشہیر اور سنسنی خیز مواد کی وجہ سے رسالے کی حیثیت مجروح ہونا۔ زرد ادب شائع کرنے والے رسالوں کو معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ادب شائع کرنے کی تلقین۔

اپریل ۱۹۹۱ء

اہم نکات

اردو زبان کے فروغ کے لئے حکومتی کاوشوں پر خراج تحسین۔ صوبائی عصبیت مٹانے کے لئے اردو زبان کے پہلو بہ پہلو علاقائی زبانوں کی ترقی و ترویج کے لئے کوششوں کی ضرورت۔ پاکستانی ادبی رسائل کو علاقائی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ وہاں کے نمایاں تہذیب و ثقافت کو بھی اجاگر کرنا چاہیئے۔

مئی ۱۹۹۱ء

اہم نکات

عصر حاضر کی ہوشربا گرانی میں تخلیقی کاوشوں کی اشاعت کا مسئلہ۔ مسائل حیات میں الجھے معتبر تخلیق کاروں کی اشاعت سے لاتعلقی' غیر معتبر تخلیق کاروں کی تخلیقات کی بھرمار حکومت اور سنجیدہ قارئین کی توجہ سے اس مسئلہ کے حل کے امکانات' حکومتی اداروں میں بہتر افراد کے تعین کی تجویز۔

جون ۱۹۹۱ء

اہم نکات

عصر حاضر میں پر تشدد واقعات کا دوسرے شعبوں کی طرح ادب پر اثر۔ تخلیق کار کے مزاج و مذاق میں تندی و ترشی کا پیدا ہونا۔ روک ٹوک کرنے پر خود ساختہ تخلیق کار قلمی سے زیادہ عملی سطح پر نقصان پہنچانے پر آمادہ۔ اس رویہ کی بیخ کنی کی ضرورت کا احساس۔

جولائی ۱۹۹۱ء

اہم نکات

عصر حاضر کی نثری و شعری تخلیقات میں یکسانیت تخلیق کار میں ذوق مطالعہ کا فقدان اور تخیل کی کارگزاری پر دسترس نہ ہونا۔ فنی ریاضت سے محروم تخلیقات کے منفی اثرات۔ یکسانیت سے بچنے کی ضرورت کا احساس اور تلقین۔

اگست ۱۹۹۱ء

اہم نکات

گزشتہ زمانے میں اردو رسالوں کی اہمیت و افادیت تخلیق کاروں کی تخلیقات کا رسالوں کی زینت بننا۔ قیام پاکستان کے بعد رسالوں کی تعداد میں اضافہ مگر معیار میں کمی۔ حکومت کی بے اعتنائی اور رسالوں کی ابتر حالت۔ رسالہ شام و سحر کی مسلسل بیس برس سے علمی و ادبی خدمات۔ حکومت کو ادبی رسائل کی طرف توجہ دینے کی تلقین۔

ستمبر ۱۹۹۱ء

اہم نکات

اخبارات کے ادبی صفحات کی مقبولیت' عصر حاضر کے ادبی اخبارات

مدیروں کی معروفیات' اقربا کی خبروں اور مہمان نواز شاعروں کی تخلیقات و تصاویر کے لئے مخصوص غیر معیاری ادب کی اشاعت اور "پبلک ریلیشنگ" نہ رکھنے والے ادیبوں کی تخلیقات سے بے اعتنائی۔ ادبی صفحات کا منفی کردار۔ ادبی صفحات کے مدیروں کو چاہئے کہ وہ حالات کو بہتر بنائیں۔

اکتوبر ۱۹۹۱ء

اہم نکات

ہمارا المیہ کہ جوہر قابل کی کمی کا رونا دستیاب جوہر کی پذیرائی سے پہلو تہی۔ معاشرے کے تمام شعبوں کے جوہر قابل کی حتمی فہرست کی تیاری اور ان سے استفادہ اردو کے عظیم تخلیق کاروں کی حکومتی سطح پر حوصلہ افزائی کی ضرورت۔

نومبر ۱۹۹۱ء

اہم نکات

ملکی وقار کا ضامن تعلیمی نظام۔ پاکستان کا ابتر تعلیمی نظام اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر شرمندگی۔ تعلیمی نظام کے فقدان سے طلبہ کی تعلیم میں عدم دلچسپی حکومت کو مستقل بنیادوں پر تعلیمی نظام مرتب کرنے کی تلقین۔

دسمبر ۱۹۹۱ء

اہم نکات

تنقید ادب کا فلسفہ' تنقید کا ادب کے حوالے سے اٹھائے گے سوالات کا جواب فراہم کرنا۔ موجودہ تنقید کا باہمی ستائش سے تحسین اور "برہمی" سے تنقیص کی شکل اختیار کرنا۔ ناقدین کو غیر جانبدارانہ تنقید کی طرف توجہ دینے کی تلقین۔

۱۹۹۲ء

جنوری ۹۲ء تا دسمبر ۱۹۹۲ء

جنوری ۱۹۹۲ء

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کا سترہ برس سے علمی و قلمی جہاد' ادبی گروہ بندیوں سے دور اور ذاتی منفعت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے معیاری ادب کی ترویج' قارئین کی ذہنی و فکری تربیت اور ادب کا حقیقی شعور پیدا کرنے میں ماہنامہ شام و سحر کی بے مثال خدمات' جدید افکار و نظریات کی روشنی پھیلانے کا مصمم ارادہ۔

فروری ۱۹۹۲ء

اہم نکات

تعلیم کے شعبہ کا زوال' علم' متعلم اور معلم کا رشتہ ٹوٹنا۔ استاد کی دیگر مصروفیات اور طلبہ کے کردار کی تشکیل کا رک جانا' اساتذہ کا مقام معاشرے میں پست ہونا' اساتذہ کو طلبہ کی رہنمائی کے لئے خود کو وقف کرنا اور پتھر کو ہیرا بنانا۔

مارچ ۱۹۹۲ء

اہم نکات

تحقیق جستجو کا ارتقائی عمل۔ عصر حاضر کے محققین کے سطحی حقائق سے نتائج اخذ کرنا۔ نوجوان تخلیق کاروں سے تحقیق کے مادہ کا ختم ہونا۔ معتبر

محققین کو اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ نوجوان محققین منظر عام پر لانا چاہئیں۔

اپریل ۱۹۹۲ء (صبا اکبر آبادی نمبر)

اہم نکات

پاک و ہند کے معروف غزل گو اور مرثیہ نگار حضرت صبا اکبر آبادی کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ماہنامہ شام و سحر کا "صبا اکبر آبادی نمبر" مرحوم کے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کی درخواست۔

مئی ۱۹۹۲ء

اہم نکات

اردو زبان و ادب کی ترقی و فروغ کے لئے بین الاقوامی سطح پر مشاعروں اور کانفرنسوں کا انعقاد۔ ان تقریبات میں علم و ادب کا فروغ کم اور ذاتی تشہیر زیادہ۔ حقیقی ناقدین و شعرا کو نظرانداز کر کے مہمان نوازوں کو دعوت۔ عالمی کانفرنسوں کا معیار مشکوک۔ کانفرنسوں میں اردو کے حقیقی خدمت کرنے والوں مدعو کر کے ان تقریبات کو بامعنی بنانے کی تجویز۔

جون ۱۹۹۲ء

اہم نکات

عصر حاضر میں علم و ادب کے قدر دانوں کا فقدان' شعراء و ادبا کی قدر افزائی تو درکنار شعر و ادب کی حالت کا ناگفتہ بہ ہونا۔ شاعروں اور ادیبوں کی رحلت کے بعد پسماندگان کی مزید بدحالی' ادیبوں کی فلاح و بہبود کے لئے "ادبی فاؤنڈیشن" کے قیام کی مثبت تجویز۔

جولائی ۱۹۹۲ء (محرم نمبر)

اہم نکات

کربلا کے بنجر اور غیر تخلیقی صحرا میں امام حسین علیہ اسلام کے لہو کی توانائی۔ واقعہ کربلا کا ادب کو متاثر کرنا۔ ادیبوں اور شعرا کا ظلم و تمرد کے خلاف آواز بلند کرنا۔ اس واقعہ کے طفیل سلام' نوحہ اور مرثیہ کا وجود میں آنا۔ عصر حاضر کے ادیبوں کا اولین فریضہ حسین علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یزیدوں کے خلاف صف آرا ہونا۔

اگست ۱۹۹۲ء

اہم نکات

پاکستان میں علم و ادب کی ابتر صورت حال کے پیش نظر عصر حاضر کے نوجوانوں کا میدان تحقیق و تنقید چھوڑ کر "افسر" بننے کے لئے جست و خیز کرنا۔ یونیورسٹی میں ہونے والی تحقیقی کاوشوں کا سطحی معیار' ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سطح پر ہونے والی تحقیق کی اشاعت کے لئے اہتمام کرنا۔ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کو جہالت دور کرنے کے لئے ان مقالات کی طباعت کا خود انتظام کرنے کی تجویز۔

ستمبر ۱۹۹۲ء

اہم نکات

اردو شعر و تنقید کے دو معروف عالم' ممتاز دانشور اور نظریہ ساز ناقد ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اور پروفیسر ممتاز حسین کی رحلت' ماہنامہ شام و سحر کے لئے ان اصحاب کی خدمات پر ہدیہ تبریک۔ مرحومین کے افکار عالیات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کا عزم۔

اکتوبر ۱۹۹۲ء (سیف زلفی نمبر)

اہم نکات

سیف زلفی کی شاعری میں یاس یگانہ چنگیزی کی گونج سیف زلفی علم و ادب کے بے لوث خدمت گار' سیف زلفی کی حقیقی پذیرائی میں کمی۔ ماہنامہ شام و سحر کا "سیف زلفی نمبر" ان کی شخصیت اور فن کے لئے ہم نب کا خراج تحسین۔

نومبر ۱۹۹۲ء

اہم نکات

ادیب اور قاری کے رشتے کو مستحکم کرنا رسالوں کا کام۔ ماہنامہ شام و سحر کا قارئین کی آرا کو اہمیت دینا۔ قارئین کی آرا کی روشنی میں رسالے کو صوری اور معنوی طور پر بہتر بنانا۔ ادارہ کو گمنام خطوط موصول ہونا۔ دوسروں کی تحقیر یا ذاتی نمود و نمائش کی خواہش' اس غیر اخلاقی روش کو ترک کر کے معترضین اور نکتہ چیں اپنی گرانقدر آرا پیش کر کے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ فرمائیں۔

دسمبر ۱۹۹۲ء

اہم نکات

عصر حاضر میں ادب پر جمود کی کیفیت' معاشرتی شکست و ریخت کے ادب پر اثرات' ادیب اور قاری میں ذہنی بعد کا پیدا ہونا ادیبوں کی سطحی حرکات' قاری کا ادب سے رشتہ جوڑنے کے لئے ایک "ادبی لانگ مارچ" کی ضرورت اور معتبر ادیبوں اور شاعروں کو شرکت کی دعوت۔

۱۹۹۳ء

جنوری ۱۹۹۳ء تا دسمبر ۱۹۹۳ء

جنوری ۱۹۹۳ء (انتخاب نمبر)

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کی اشاعت کی مسلسل اٹھارہ برس نامساعد حالات میں شمع علم و ادب کا روشن رکھنا۔ شام و سحر میں علمی و ادبی کارگزاریوں کی تفصیل۔ نئے برس کی مبارکباد اور نئے عزائم۔

فروری ۱۹۹۳ء

اہم نکات

کتاب کی رونمائی کا "فیشن" تخلیق کار، پبلشر ناقدین اور حاضرین کی رسمی شرکت و خود نمائی، ناقدین کی کمزور تحریریں ناقدین کو حق گوئی اختیار کرنے کی تلقین۔

مارچ ۱۹۹۳ء

اہم نکات

پاکستان میں علم و ادب کا بحران، ٹیکسٹ بک بورڈوں کا منفی کردار، سطحی اور غیر معیاری کام، نصاب کے مرتبین کی نااہلی۔ نصاب مرتب کرتے ہوئے منصوبہ بندی کی ضرورت۔

اپریل ۱۹۹۳ء

اہم نکات

معاشرے میں "بے یقینی" کی صورت حال اور "ادبی ایڈہاک ازم"

ادب کا ایک "فیشن" بن جانا۔ ادبی ایڈہاک ازم ختم کر کے مستقل بنیادوں پر اعلیٰ ادبی تخلیقات منظر عام پر لانے کی ضرورت۔

مئی ۱۹۹۳ء

اہم نکات

عصر حاضر کی سیاسی شکست و ریخت سے عدم اطمینان کی صورت کا پیدا ہونا۔ سنسنی خیز خبریں شائع کرنے والے رسائل کی اہمیت۔ ادبی رسائل کا گوشہ گمنامی میں چلے جانا' ادیبوں کو تیقن کی فضا پیدا کرنے کی تلقین۔

جون ۱۹۹۳ء (ڈاکٹر آغا سہیل نمبر)

اہم نکات

ڈاکٹر آغا سہیل منزل آشنا اور بہترین رہبر۔ آغا سہیل معروف نقاد' افسانہ نگار' ناول نگار' سفرنامہ نگار' معلم' شام و سحر کے آغا سہیل نمبر کا اجرا ڈاکٹر آغا سہیل صاحب کی خدمات کا اعتراف۔

جولائی ۱۹۹۳ء (محرم نمبر)

اہم نکات

سیدالشہدا امام حسین کا دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے نذرانہ حیات پیش کرنا۔ حق و باطل کے دو نمائندے حسین و یزید۔ حضرت حسین کا مثبت اور یزید کا منفی کردار ادا کرنا۔ عصر حاضر کے یزیدی ماحول میں اسوہ حسینی اختیار کرنے کی ضرورت۔

اگست ۱۹۹۳ء

اہم نکات

معاشرتی تذبذب اور ذہنی ترقی کی رفتار میں کمی۔ لوگوں کا "بحرانی کیفیت" سے دوچار ہونا اور "غیبی مدد" کی آس۔ معاشرے میں ادبی

بحران اور اس کے منفی اثرات۔ تخلیق کاروں کو سودمند ادب تخلیق کرنے کی تلقین۔

ستمبر ۱۹۹۳ء

اہم نکات

قارئین کی ادیبوں سے توقعات' ادیبوں کے لئے مناسب ماحول اور بنیادی سہولتوں کی عدم دستیابی' نابغہ روزگار تخلیق کاروں کا غم دوراں کا شکار ہونا۔ ادیبوں کو بہتر ماحول فراہم کرنے کی تلقین۔

اکتوبر ۱۹۹۳ء

اہم نکات

عصر حاضر کی ہوشربا گرانی کا زندگی کو اجیرن بنانا۔ افراد کا حصول زر کے لئے کوشاں ہونا۔ ادبی رسالے کا رفتہ رفتہ دم توڑنا۔ حکومت کو رسائل کی طرف توجہ دینے کی تلقین۔

نومبر ۱۹۹۳ء

اہم نکات

ادبی رسائل کے معیار کا روبہ زوال ہونا۔ تخلیق کار کی سطحی تحریریں' قارئین کی عدم دلچسپی' مالکان کی منگائی کے ہاتھوں بے بسی نے مل جل کر ادبی رسالوں کو تباہ کیا۔ عزم و استقلال کی ضرورت کا احساس اور علمی جدوجہد کی تلقین۔

دسمبر ۱۹۹۳ء

اہم نکات

عصر حاضر میں ہماری "شناخت کا کھو جانا" ذاتی تشہیر' نمود و نمائش اور خود ستائشی سے شناخت کی بحالی ناممکن۔ محنت اور حالات حاضرہ سے باخبری سے شناخت بحال کرنے کی تلقین۔

۱۹۹۴ء

جنوری ۹۴ء تا دسمبر ۱۹۹۴ء

جنوری ۱۹۹۴ء (انتخاب نمبر)

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کی مسلسل و متواتر اشاعت شام و سحر کا ادبی جہاد' نئے برس میں نئے عزائم' ادیبوں اور شاعروں کو ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کی تلقین۔

فروری ۱۹۹۴ء

اہم نکات

تحقیق کاروں کی "باہمی آویزش" کے منفی اثرات' ادیبوں کی ذاتی رنجش اور ادب کا انحطاط' ادیبوں سے ذاتی مفادات ختم کرنے کی استدعا۔

مارچ ۱۹۹۴ء

اہم نکات

حکومت کی "اشتہار پالیسی" اور اس کے منفی اثرات۔ سیاسی رسائل کو فوائد اور ادبی رسائل کی بے بسی' تشہیری ایجنسیوں سے ادبی رسائل کی طرف توجہ دینے کی درخواست۔

اپریل ۱۹۹۴ء

اہم نکات

مہذب معاشرے میں "بزرگوں" کی کلیدی حیثیت بعض بزرگوں کا "صراط مستقیم" سے ہٹ کر نوجوانوں کو ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنا۔ بزرگ ادیبوں کا اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ کر فوری اشاعت کا حکم دینا۔ مدیر کی بعض مجبوریاں بزرگ ادیبوں سے اپنا حقیقی کردار ادا کرنے کی درخواست۔

مئی ۱۹۹۴ء

اہم نکات

معاشرے میں "فرد کی اساسی حیثیت" مہذب معاشرے میں تخلیق کاروں کی اہمیت و افادیت' عصر حاضر کے پاکستانی ادیبوں کا فرائض سے غافل ہونا۔ ادیبوں سے علمی و ادبی روایات بحال کرانے کی درخواست۔

جون ۱۹۹۴ء

اہم نکات

کربلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام کی سبق آموز قربانی' خدا سے رشتہ مضبوط کرنے اور مذہبی تعصبات ختم کرنے کے اسباق' ادیبوں کو اخوت و بھائی چارہ قائم کرنے کی تلقین۔

جولائی ۱۹۹۴ء

اہم نکات

معاشرتی انتشار میں فرد کا سمٹنا' ہمارے معاشرے کے عیوب اور افراد کی بے حسی و بے بسی۔ "مگوگو" کی حالت میں زندگی بسر کرنا۔ باشعور تخلیق کاروں کو اپنا فرض ادا کرنے کی تلقین۔

اگست ۱۹۹۴ء

اہم نکات

عصر حاضر کے مسائل کی زندگی کو تلخ بنانا' تلخی کو شیریں بنانے میں تخلیق کاروں کا مثبت کردار۔ ادیبوں سے عصری ضرورت کو محسوس کرنے اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی درخواست۔

ستمبر ۱۹۹۴ء

اہم نکات

کتابیں شائع کرانے کا والہانہ شوق۔ نام بدل کر پرانی کتاب پر شائع کرانے کا منفی رجحان۔ کلیات شائع کرانے کا جنون۔ اس صورت حال میں قاری کا الجھن میں مبتلا ہونا۔ تخلیق کاروں کو صبر و تحمل کے ساتھ تخلیقات کی اشاعت پر توجہ دینا۔

اکتوبر ۱۹۹۴ء

اہم نکات

گمنامی کی گرد میں اٹے ہوئے تخلیق کاروں کی بازیافت کی ضرورت۔ ناقدین کا کمتر موضوعات پر قلم اٹھانا اور پرانے موضوعات سے اغماض برتنا' ناقدین کو اپنا عظیم منصب سمجھ کر کام کرنے کی تلقین۔

نومبر ۱۹۹۴ء

اہم نکات

اسلام آباد میں "ادیبوں کی عالمی کانفرنس" کا انعقاد اور اس کے اثرات و ثمرات' کانفرنس کے انعقاد پر بے جا اخراجات' ادیبوں کی فلاح و بہبود کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت۔

دسمبر ۱۹۹۴ء

اہم نکات

باشعور معاشرے میں ادیب ادب اور قاری کی تکون کی اہمیت۔ قاری کی اساسی حیثیت' ادب کے قارئین کی ذمہ داریاں اور اس کے مثبت نتائج۔

۱۹۹۵ء

جنوری ۹۵ء تا دسمبر ۱۹۹۵ء

جنوری ۱۹۹۵ء (انتخاب نمبر)

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کی اشاعت کا انیسواں برس۔ ثابت قدمی سے مسلسل اشاعت۔ نئے برس کا طلوع۔ جلب منفعت اور دفع مضرت سے ماورا ہو کر علم و ادب کی ترقی کے لئے کام کرنے کا عزم و حوصلہ۔

فروری ۱۹۹۵ء

اہم نکات

پاکستانی تحقیق کاروں کے دو گروہ۔ علم و ادب کی ترویج پر کربستہ "افادی ادب" تحقیق کرنے والے۔ مفادات کے دائرے میں قید "مفادی ادب" پیش کرنے والے تحقیق کاروں کو مثبت رویوں کی پیش کش کی تلقین۔

مارچ ۱۹۹۵ء

اہم نکات

تحقیق ایک دشوار ترین عمل۔ تحقیق کاروں کے لئے "پرسکون ماحول کی ضرورت" "تاجرانہ ماحول" میں تحقیق کاروں کا منفی رجحان، معاشرے کی جانب سے تحقیق کاروں کے لئے شفاف ماحول کی فراہمی۔

اپریل ۱۹۹۵ء

اہم نکات

ادیبوں کے استحصال میں پبلشروں کا کردار "بازاری قیمت" کے حامل ادب کی اشاعت۔ معتبر تخلیق کاروں کا استحصال' حکومت کی جانب سے معیاری پبلشنگ ادارے کی ضرورت کا احساس اور قیام کی تجویز۔

مئی ۱۹۹۵ء

اہم نکات

عصر حاضر کی تخلیق کاروں کے ذہنی افق کے محدود ہونے کی شکایت۔ تحریروں میں یکسانیت کا پیدا ہونا۔ تخلیقات میں بات دہرانے کا عمل۔ تخلیق کاروں کو جدید علوم کی روشنی میں اپنے نظریات پیش کرنے کی تلقین۔

جون ۱۹۹۵ء (محرم نمبر)

اہم نکات

امام حسینؑ کے مقدس لہو کی روشنی سے کائنات کا جگمگانا۔ امام حسین علیہ السلام کا ظالم کے سامنے سرخمیدہ نہ کرنے کا سبق دینا۔ امام حسین علیہ السلام کے پرستاروں کو اسوہ حسنی اختیار کرنے اور باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کی تلقین۔

جولائی ۱۹۹۵ء

اہم نکات

ادیب عالم گیر تصور انسانیت کا علمبردار۔ ادیب رواداری اور محبت کا پرچارک۔ مذہبی منافرت کے ادب پر اثرات' ادیبوں کی مذہبی گروہ بندیاں مذہبی تعصبات ترک کر کے انسانیت کے لئے کام کرنے کی تلقین۔

اگست ۱۹۹۵ء

اہم نکات

ادیبوں کا استحصال کرنے والوں میں شعراء و ادیب و نمبر ون۔ ادیبوں کے درمیان لسانی و مذہبی گروہ پیدا کرنے کی سازشیں۔ ادیبوں اور دانشوروں کو ایسے جعلی اور خود ساختہ تنظیمی کارروائیوں سے بچنے کا مشورہ۔

ستمبر ۱۹۹۵ء

اہم نکات

عصر حاضر میں منافقانہ رویوں کے ادب پر اثرات ناقد' تخلیق کار اور قاری کا منافقانہ رویوں کا شکار ہونا۔ حقیقت کی نقاب کشائی کی ضرورت' ادبی انحطاط سے بچنے کے لئے منافقانہ طرز عمل ترک کرنے کی استدعا۔

اکتوبر ۱۹۹۵ء

اہم نکات

معاشرتی بے راہ روی کے ادب پر اثرات' تخلیق کار کا اپنی تحریر کو حرف آخر سمجھنا' ناقدین کی گرفت اور باہمی تصادم' ادیب کو اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محاسن کے ساتھ معیوب سننے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔ تخلیق کار کو کشادہ قلبی پیدا کرنے کی ضرورت۔

نومبر ۱۹۹۵ء

اہم نکات

عالمی سطح پر ادیبوں کی پذیرائی کا رجحان۔ اکادمی ادبیات پاکستان کا کانفرنس کے انعقاد کا اعلان۔ کانفرنس کو کامیاب اور موثر بنانے کے لئے چند تجاویز۔

دسمبر ۱۹۹۵ء

اہم نکات

عظیم مذہب کا ثقافتی ورثہ کی بدولت زندہ رہنا۔ فنون لطیفہ سے ہمارا رشتہ ٹوٹ جانا۔ حصول زر کے لئے تگ و دو اور ادب کی بدحالی۔ تخلیق کاروں کو معاشرتی رویوں کا احساس کرکے اپنے ادب میں ان کی پیش کش کرنا چاہئے۔

۱۹۹۶ء

جنوری ۹۶ء تا دسمبر ۱۹۹۶ء

جنوری ۱۹۹۶ء (انتخاب نمبر)

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کی اشاعت کا بیسواں برس، علم و ادب کی روشنی پھیلانے کا مصمم ارادہ۔ ماہنامہ شام و سحر کا علمی ذوق پیدا کرنا اور گروہ بندی کے بغیر رسالے کو جاری رکھنا۔ نئے سال کی مبارکباد۔

فروری ۱۹۹۶ء

اہم نکات

عصر حاضر کی دہشت گردی کے حتمی اثرات، دانشوروں اور ادیبوں کا دہشت گردی کا شکار ہونا، تخلیق کاروں کا خود کو "غیر محفوظ" سمجھنا۔ حکومت کی جانب سے تخلیق کاروں کو تحفظ فراہم نہ کرنے پر احتجاج۔ ادبی تنظیموں سے ادیبوں کے تحفظ کے لئے درخواست۔

مارچ ۱۹۹۶ء

اہم نکات

عصر حاضر میں مقاصد حیات کا پست ہو جانا۔ تخلیق کاروں کا زر پرست ہونا۔ شعراء کا مشاعروں میں "ہدیہ" بڑھانا۔ ادیبوں کا پرانی تخلیقات کو نئے ناموں سے بار بار چھاپنا۔ ادیبوں اور شاعروں کو اپنا طرز احساس بدلنے کے لئے آمادہ کرنا۔

اپریل ۱۹۹۶ء

اہم نکات

قوم کی شناخت میں تہذیب و ثقافت کا کردار' ہماری ثقافت کے خدوخال کا ابھی تک متعین نہ ہونا۔ "مانگے تانگے" کے کلچر سے اجتناب کا مشورہ۔

مئی ۱۹۹۶ء

اہم نکات

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت' معاشرتی ترقی میں ٹیلی ویژن کا کردار' پاکستان ٹیلی ویژن پر حکومتی ایوانوں کا قبضہ' علم و ادب کے حوالے سے پروگرام مرتب کرنے کی استدعا' ذرائع ابلاغ سے ادبی رویوں کے فروغ کے مثبت نتائج۔

جون ۱۹۹۶ء

اہم نکات

کرب و بلا کے میدان میں شہادت حسین علیہ السلام کے مثبت اثرات حسین علیہ السلام کا اصولوں کی خاطر جان قربان کرنا۔ حسینی استقلال

پیدا کرنے کی ضرورت۔ ادیبوں کا ظلم و تمرد کے خلاف پرچم حسینیت بلند کر کے اپنے آپ کو افکار حسینیؑ کا پرستار ثابت کرنا۔

جولائی ۱۹۹۶ء

اہم نکات

ہر مہذب معاشرے میں حکومت کا عوام کی خدمت پر کمربستہ رہنا۔ "عوامی حکومت" کی دعوے دار حکومت کا عوام کی زندگی کو اجیرن کر دینا۔ حکومت کے پیش کردہ بجٹ سے مہنگائی میں بے پناہ اضافہ، حکومت سے عوامی معاملات کی طرف توجہ دینے کی درخواست۔

اگست ۱۹۹۶ء

اہم نکات

ربیع الاول کے مہینے میں حضور اکرم ﷺ کا ورود۔ معاشرے میں اخوت و محبت کے فروغ کے لئے اسوہ رسول ﷺ اختیار کرنے کی ضرورت، وطن دوستی اور دین شناسی کے لئے سیرت محمد ﷺ اپنانے کی ضرورت۔

ستمبر ۱۹۹۶ء

اہم نکات

عصر حاضر میں تخلیق کاروں کی دو اقسام، ایک قسم کے تخلیق کاروں کا خون جگر سے گلشن شعر و ادب کو سیراب کرنا۔ دوسری قسم خود ساختہ تخلیق کاروں کا گروہ جو حکومت کو دھوکا دے کر تخلیقی سرگرمیوں میں معروف ہیں۔ حقیقی اور خود ساختہ ادیبوں کے درمیان حد فاصل کی ضرورت۔

اکتوبر ۱۹۹۶ء

اہم نکات

ادب زندگی کا آئینہ دار، منفی رویوں کی آبیاری کے لئے وافر ذرائع کا ہونا۔ مثبت اقدار کے فروغ کے لئے مشکلات۔ حکومت اور دیگر علمی و ادبی اداروں کو مثبت رویوں کو فروغ دینے کے لئے کاوشیں کرنا۔

نومبر ۱۹۹۶ء

اہم نکات

معاشرے سے بیگانہ ہو کر عظیم ادب کی تخلیق کے امکانات، معاشرے کے بغیر عظیم ادب کی تخلیق ناممکن، اردو زبان کے تخلیق کاروں کی وسعت نظری، پائیدار قدروں کو فروغ دینے کی ضرورت۔

دسمبر ۱۹۹۶ء (حسن عابد نمبر)

اہم نکات

اردو شعر و ادب میں حسن عابد کی اہمیت۔ ادیبوں کو ان کی زندگی میں خراج تحسین پیش کرنے میں ماہنامہ شام و سحر کو فوقیت، حسن عابد نمبر کی اشاعت ایک مستحسن عمل۔ عملی کارکردگی کا ایک نمونہ۔

۱۹۹۷ء

جنوری ۹۷ء تا دسمبر ۱۹۹۷ء

جنوری ۱۹۹۷ء (انتخاب نمبر)

اہم نکات

ماہنامہ شام و سحر کی مسلسل اشاعت کا اکیسواں برس۔ منافقانہ اور

تاجرانہ معاشرے میں شام و سحر کی اشاعت۔ نئے سال کی مبارکباد اور تعاون کے لئے درخواست۔

فروری ۱۹۹۷ء

اہم نکات

پنجاب میں خود مختار اداروں کی ناگفتہ بہ حالت۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی حالت زار۔ ناقص حکمت عملی اور غیر معیاری نصابی کتب کی تدوین' حقیقی ماہرین مضامین سے رابطہ نہ کرنا اور "دستیاب ماہرین" سے سطحی کام کرانا۔ ٹیکسٹ بک بورڈ کے ارباب اختیار سے منصوبہ بندی سے کام کرنے کی درخواست۔

مارچ ۱۹۹۷ء

اہم نکات

ہر مہذب ملک میں قومی زبان وقار و تمکنت کی علامت۔ ہمارا قومی زبان سے سوتیلا سلوک۔ علاقائی سیاست سے مرکزیت کا خاتمہ' اردو کی بین الاقوامی حیثیت۔ ہر محب وطن پاکستانی کو اردو کے فروغ کے لئے کردار ادا کرنے کی درخواست۔

اپریل ۱۹۹۷ء

اہم نکات

تخلیق کاروں کی پذیرائی سے قوموں کی عظمت۔ موجودہ حکومت کا تخلیق کاروں کو باوقار عہدوں کی پیش کش اہل ادیبوں اور دانشوروں

کو نظر انداز نہ کرنے کی تلقین۔

مئی ۱۹۹۷ء

اہم نکات

صحافت ایک مقدس پیشہ، عصر حاضر میں "زرد صحافت" کے اثرات۔ اخبارات میں چھپنے والی سنسنی خیز خبروں کے اثرات، اخبارات کے عملہ کی غیر ذمہ داری۔ اردو اخبارات میں زبان و بیان کی بے شمار اغلاط، صاف ستھری صحافت کو فروغ دینے کی درخواست۔

جون ۱۹۹۷ء (محرم نمبر)

اہم نکات

حضرت امام حسین علیہ السلام کا دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے جام شہادت نوش کرنا۔ واقعہ کربلا سے حق و باطل میں امتیاز ہونا۔ حسین علیہ السلام کا روشنی اور یزید کا تاریکی کے روپ میں ابھرنا۔ عصر حاضر کی یزیدیت کے خاتمے کے لئے اسوہ شبیری اختیار کرنے کی درخواست۔

جولائی ۱۹۹۷ء

اہم نکات

وطن کی محبت انسانی زندگی کا قابل فخر سرمایا۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کا حب وطن سے سرشار ہونا۔ عاقبت نااندیش ادبی پبلشروں کا بیرون ملک مقیم پاکستانی ادیبوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا۔ پبلشر شاعروں اور

ادیبوں کو اپنے طرز عمل کا احساس کرنے کی تلقین۔

اگست ۱۹۹۷ء

اہم نکات

ترجمہ کا مشکل ترین فن۔ عصر حاضر میں ہر فرد نے ترجمہ نگار بن کر اسے "کار طفلاں" بنا دیا ہے۔ کامیاب مترجم کو لفظوں کے سیاق و سباق سے آگاہی۔ عصر حاضر میں شعری و نثری ترجموں میں مضحکہ خیزیاں ادیبوں کو ترجمہ کرتے ہوئے محنت کرنے کی تلقین۔

ستمبر ۱۹۹۷ء

اہم نکات

پاکستان کی گولڈن جوبلی کا دھوم دھام سے منایا جانا۔ خوشحال پاکستان کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت۔ ماضی کی روشنی کے ذریعہ مستقبل کی منصوبہ بندی۔ پچاس برسوں کی علمی و ادبی کاوشوں پر اظہار ندامت۔ حکومت' قارئین اور ادیبوں کا غیر سنجیدہ رویہ اور اس کے منفی اثرات۔ مستقبل میں بہتر ادب تخلیق کرنے کی تلقین۔

اکتوبر ۱۹۹۷ء

اہم نکات

صحافت کا مقدس پیشہ اور صحافیوں کی تکریم۔ عصر حاضر میں بے شمار ادبی اخباروں کا منظر عام پر آنا۔ ان اخبارات سے ذاتی تشہیر اور دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے کا عمل۔ ادبی صحافیوں کو اپنا طرز عمل درست کرنے

کی تلقین۔

نومبر ۱۹۹۷ء

اہم نکات

عصرِ حاضر کے نوجوان ادیبوں کا تجربہ کار ادیبوں سے بیزاری کا اعلان۔ بزرگ ادیبوں کا گوشہ نشیں ہونا۔ بزرگ دانشوروں سے حکومت کا معاندانہ رویہ۔ ان بزرگوں کی دانش و بینش سے فائدہ اٹھانے کی استدعا۔

دسمبر ۱۹۹۷ء

اہم نکات

مہذب معاشرے میں نوجوانوں کا مثبت کردار' ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کو حقیر اور ناتجربہ کار سمجھ کر کم وقعت قرار دینا۔ نوجوانوں کا اس صورتحال سے "یاسیت" کا شکار ہو جانا۔ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت۔

maablib.org

باتیں

۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۷ء

maablib.org

میرزا ادیب

آپ نے شام و سحر کو ایک وقیع ادبی جریدہ بنا دیا ہے۔ میں تو ہر پرچے کا منتظر رہتا ہوں اور بتمام و کمال پرچے کا مطالعہ کرتا ہوں۔ ایسے خوبصورت پرچے کے مطالعہ سے محروم رہنا 'ادبی محرومی' کے مترادف ہے۔ میں اداریے کا التزاماً مطالعہ کرتا ہوں۔ یہ اداریے فکر انگیز ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے درمیان ایسے دردمند افراد موجود ہیں جو اہل قلم کے مسائل کا ادراک بھی رکھتے ہیں اور ان کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ کا قلم رواں دواں رہے۔

ماہنامہ شام و سحر فروری ۱۹۹۱ء

باتیں

۱۹۸۸ء

جنوری تا دسمبر ۸۸ء

پروفیسر اصغر سودائی

آپ نے مختلف شخصیات پر اہل فکر و نظر کے ناقدانہ خیالات کو شام و سحر میں نمایاں مقام دینے کے لیے جو تگ و دو شروع کی ہے وہ واقعتاً قابل تعریف ہے۔ جب میں آپ کے جریدے کی ضخامت دیکھتا ہوں اور مشہور اہل قلم کا اشتراک تعاون تو حیران رہ جاتا ہوں۔ قلم اور کاغذ کا اسلحہ لے کر میدان میں ڈٹے رہیے۔

ماہنامہ شام و سحر فروری ۱۹۹۱ء

جنوری' فروری ۱۹۸۸ء

ایک ایسے عہد نا پرساں میں کہ جہاں زبان سے ادبی گفتگو بھی جگ ہنسائی کا موجب قرار پائے' کسی ادبی رسالے کا باقاعدہ اجراء جہاد اکبر سے کم نہیں ہے۔ ادبی رسائل ایک تہذیبی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ عصری ضرورت بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر عوام اور حکومت دونوں مل کر ادبی رسالوں کی نشوونما اور ترقی کے لئے کام نہ کریں تو یہ فقط تہذیبی نقصان ہی نہیں' عصری کم حوصلگی کا اعلان بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ لاہور جیسے علمی و ادبی شہر سے صرف چند ایک ادبی ماہناموں کا باقاعدگی سے شائع ہونا الیے سے کم نہیں' تاہم مقام مسرت ہے کہ ماہنامہ "شام و سحر" کم و بیش بارہ برس سے مسلسل شائع ہو کر علمی و ادبی حلقوں میں اپنا علیحدہ تشخص اور منفرد مقام پیدا کر چکا ہے۔

انسان بنیادی طور پر تبدیلی کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کی تمنا ہوتی ہے کہ ہر لحہ رونما ہونے والے اور بدلتے ہوئے حالات و میلانات سے نہ صرف یہ کہ وہ آگاہ ہو' بلکہ اپنے آپ کو اس میں سمو سکے۔ قارئین کی آراء کی روشنی میں ہم نے رسالے میں کچھ تبدیلیوں کا فیصلہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بنیادی مقصد رسالے کی صوری اور معنوی خوبیوں میں اضافہ ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین اور تخلیق کار اس علمی و ادبی جہاد میں ہماری معاونت کریں گے۔ اس مرتبہ رسالے کو جدید اور قدیم انداز فکر کی حامل تحریروں سے آراستہ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

مارچ' اپریل ۱۹۸۸ء (ظہیر کاشمیری نمبر)

اردو شعر و ادب میں ظہیر کاشمیری کا اسم ایک معتبر حوالے کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ اور ان کی نثری و شعری تخلیقات ارباب علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ انہوں نے ترقی پسندانہ خیالات کو جس مہارت اور سلیقے سے اردو شاعری کے مزاج میں داخل کیا وہ لائق صد تحسین ہے۔ ان کی شخصیت اور کارناموں کی مختلف جہتیں ہیں' تاہم ان کا مقصد اولین یہی ہے کہ بنیادی انسانی قدروں کو معاشرے میں پھیلایا جائے۔ ان کے ہاں کلاسیکیت اور ترقی پسندانہ فکر کا حسین امتزاج ان کی مہارت پر دال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زمانہ حیات میں کسی بھی تخلیق کار کی فنی کارگزاریوں کا تجزیاتی سطح پر مطالعہ کر کے اس کا مقام متعین کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاہم اس رسالے میں ہم نے دراصل اس سوال کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے کہ ظہیر کاشمیری کے تخیل کی تجزیاتی اور ترکیبی قوتیں کس طرح کام کرتی ہیں.....؟

ظہیر صاحب کی ادبی حیثیت بڑی ہے اور ہمارا یہ کام چھوٹا ہے' تاہم خلوص نیت سے چھوٹے کاموں میں بھی برکت آجاتی ہے اسی خیال سے شمارہ پیش خدمت ہے۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

مئی ۱۹۸۸ء

موجودہ حکومت زندگی کے ہر شعبے پر توجہ دے رہی ہے اور سرکاری سطح پر کئی مرتبہ اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ حکومت ادب کے فروغ کے لئے ہر ممکنہ سہولت دینے کے لئے تیار ہے' تاہم یہ بات نہایت ملال انگیز ہے کہ حکومت ادبی جرائد کی مشکلات سے چشم پوشی اختیار کئے ہوئے ہے جس کے نتیجہ میں بیشتر ادبی جرائد دم توڑ چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان پر نزع کا عالم طاری ہے۔ اس سے بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ ان ادبی جرائد

کی غیر موجودگی میں ان کی جگہ مخرب اخلاق ڈائجسٹوں نے لے لی ہے۔ اس طرح ایک جانب تو معاشرے سے ادب کے فروغ کے ذرائع ختم ہوتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف غیر اخلاقی اور غیر معیاری روایات جنم لے رہی ہیں۔

اس وقت باقاعدہ نکلنے والے رسائل و جرائد جن نامساعد حالات سے گزر رہے ہیں' ان کا علم حکومت کو تو شاید نہ ہو' البتہ اس سے منسلک اصحاب اس کے بارے میں خوب آگاہ ہیں۔ کاغذ کی ہوشربا گرانی اور اشاعت و کتابت میں بلا جواز اضافہ' ایسے مسائل ہیں جن سے نبرد آزما ہونا ممکن ہی نہیں بڑی مشکل ہے کہ چھوٹا ادارہ باقاعدہ تنخواہ دار عملہ رکھے' اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ حکومت باقاعدہ شائع ہونے والے جرائد کو A.B.C سے مستثنیٰ قرار دے کر ایک ہزار کی بنیاد پر انہیں اشتہارات جاری کرے۔ تاہم جب یہ تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر جائے تو ہر طرح کے کوائف ضرور طلب کئے جائیں۔ اس سلسلے میں سرکاری اور غیر سرکاری اشتہارات کا کوٹہ مقرر کیا جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ ان جرائد کو کم قیمت پر نیوز پرنٹ بھی مہیا کیا جانا چاہئے۔

مختصراً یہ کہ اگر حکومت جرائد کے مسائل حل کرنے میں واقعی مخلص ہے تو اسے ان سسکتے اور دم توڑتے رسائل کی جانب توجہ دینا چاہئے اور اگر بروقت ایسا نہ ہوا تو نہ صرف یہ کہ رسائل ہی بند ہو جائیں گے بلکہ ایک پورے نظام اور پوری تہذیب کا خاتمہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ زندہ حکومت مردہ تہذیب میں کبھی نہیں پھل پھول سکتی۔

O———O———O

جون ۱۹۸۸ء (جعفر طاہر نمبر)

شعر و ادب کی ترقی کی لئے ایک علمی' تہذیبی اور تخلیقی فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فضا اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے' جب تخلیق کار ادب کے ساتھ ایک "کومٹمنٹ" کے

ذریعہ رشتہ استوار کریں اور لکھنے کو زندگی کا اہم تقاضہ سمجھیں۔ اگر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے ادباء ادب کو مال تجارت سمجھنے لگیں اور اپنی تحریروں کے لئے وہی طریقہ استعمال کریں' جو مال کی فروخت کے لئے اشتہارات کرتے ہیں تو یہ فضا علمی 'ادبی اور تخلیقی نہیں بلکہ "بازاری" فضا بن جائے گی۔ ادب میں دھڑے بندی' خود نمائی اور سطحی سیاست کے کوئی معانی نہیں۔ اشتہار' سیاست یا کوئی دھڑے بندی کسی معمولی تحریر کو اعلیٰ و ارفع سطح پر نہیں پہنچا سکتی۔ اہم بات محض اتنی ہے کہ آپ جو کچھ لکھتے ہیں' اس کے حوالے سے آپ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یا نہیں.....؟ کسی تقاضے سے عہدہ برا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ اگر آپ کے کام میں قوت اور تاثیر ہے تو وہ باقی رہے گا' ورنہ گھاس پھوس کی طرح ہوا میں اڑ جائے گا' لهذا ادیب کا بطور ادیب کام یہ ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ بلا کسی غرض و غایت کے اپنے لفظوں کو کاغذ پر ترتیب دے' اس کام کے لئے ایک طرح کی انکساری کی ضرورت ہے' جس کو سارنا بہت مشکل کام ہے۔

موجودہ شمارے میں معروف شاعر جعفر طاہر کے حوالے سے ایک علیحدہ سیکشن بنایا گیا ہے' جس میں ان کی شخصیت اور فن پر بعض اہم تخلیقات شامل کی جا رہی ہیں۔ جعفر طاہر ہمارے عہد کے ایک اہم شاعر تھے۔ انہیں یاد کرنا' محفوظ کرنا اور ان کی تحسین کرنا خود ذوقِ شعر کی پرورش کے مترادف ہے۔ یہ کام اور لوگ بھی کریں گے' سو ہم نے بھی کیا ہے۔

O———O———O

جولائی ۱۹۸۸ء

ہماری نظر میں ایسے شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہیں' جو اپنی تخلیقی اہلیت اور حیثیت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں' مگر جن کے کارنامے زیادہ مشہر ادیبوں اور

شاعروں کے گرد و غبار میں چھپ گئے ہیں۔ ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اپنے وقیع ادبی کارناموں کی وجہ سے ادبی تاریخ میں ایک مستقل حیثیت اختیار کرنے والے غیر معروف تخلیق کاروں کے افکار عالیات کی پیشکش سے ہم اپنے رسالے کی زینت بڑھائیں۔ اس سلسلے میں ہم نے حضرت ظہیر کاشمیری کا ایک ضخیم نمبر نکالا اور جعفر طاہر مرحوم کے لئے اپنے رسالے میں ایک گوشہ مخصوص کیا۔ اسی طریقہ کار سے ہمارا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اپنے عہد کے ان تخلیق فنکاروں سے متعلق مواد جمع کریں' جنہوں نے ہماری ثقافت اور ہماری ادبی روایت کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ ہم بڑے خلوص' نہایت عاجزی اور اپنے وسائل کی حد تک جدید ادب کی تفہیم کی لئے اپنی سی سعی کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والا زمانہ جب چھان پھٹک کر کے دانے کو بھوسے سے الگ کرے اور لوگوں کو جوہر قابل کی تلاش ہو تو ہماری یہ معمولی مساعی کسی کام آجائے۔

o———o———o

اگست' ستمبر ۱۹۸۸ء (محرم نمبر)

محرم کا مہینہ ہمیں ان مرنے والوں کی یاد دلاتا ہے' جو ہمیں جینا سکھا گئے ہیں۔ زندگی اور موت بظاہر متضاد ہیں کہ ایک کی شناخت دوسرے کی ضد سے ہوتی ہے' لیکن دنیا کے اعلیٰ عمل وہ ہوتے ہیں' جن میں تضادات حل ہو جاتے ہیں اور بلاشبہ ایسے عمل تخلیقی ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسین ؑ نے اس وقت' جب زمین انہیں پناہ نہیں دے رہی تھی' اپنے اور اپنے اعزہ و رفقاء کے خون سے زمان پر ایک منفرد تحریر لکھی۔ یہی وہ تحریر ہے جسے ایک طرف سے دیکھئے تو موت ہے اور دوسری طرف سے دیکھئے تو زندگی..... یہی تضادات کا حل ہے اور یہی تخلیقی عمل ہے۔

شہادت حسین ؑ عملی تخلیق بھی ہے اور تخلیقی عمل بھی۔ عملی تخلیق ہے اسلام

کی' جو نئی قوتوں کے ساتھ دوبارہ ظاہر ہوا۔ اسلام کو جینے کے لئے پہلے مرنا تھا' سو حضرت امام حسینؓ نے جو خود مجسم اسلام تھے' یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ امام عالی مقامؓ کے اس تخلیقی عمل کو ہم سال بہ سال دہرائے جاتے ہیں' اس کے باوجود اس کا مزہ باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

O———————O———————O

اکتوبر ۱۹۸۸ء

تخلیقی ذہن کے قحط کا جو سامنا آج ہمیں ہے' اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ یہ بات محض ادبی رسالوں کے حوالے ہی سے درست نہیں بلکہ پوری زندگی میں بنجرپن شدید صورت اختیار کر رہا ہے۔ یہ بات سائنٹیفک ہو یا نہ ہو لیکن عام مشاہدے کی ہے کہ باہر کی زمینوں کا سیم و تھور ہماری باطنی زمینوں کی شوریدگی کا شاخسانہ ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ نئے تخلیق کار مکمل صورت میں صاحب کتاب بن کر سامنے آ رہے ہیں۔ اس صورت میں لکھنے والے کے تدریجی ارتقاء کی خبر نہیں ہوتی اور قارئین اس تخلیق کار کی ادبی صلاحیتوں اور فنی ریاضتوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اسطرح نمود و نمائش اور ظاہری شہرت تو حاصل ہو جاتی ہے' مگر بیشتر صاحبان کتاب اپنی ابتدائی کتابوں کے بوجھ تلے پس جاتے ہیں۔

تخلیقی ہنرمندی' ہر ہنر کی طرح محنت' کاوش اور ریاضت کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا' لیکن اس زمانے میں ایک رات میں امیر بننے کی خواہش کا ترجمہ ادبی صورت حال میں یہ ہے کہ بغیر محنت' کاوش اور ریاضت کے لکھنے والا جلد از جلد صاحب کتاب بن جائے. ہرمن ہیزؔ کے ایک ناول میں ہیرو "سدھارتا" ایک موقع پر کہتا ہے کہ میرے پاس تین چیزیں ہیں' جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتیں۔ اولاً میرے پاس علم

ہے' ثانیا میں بھوکا رہ سکتا ہوں اور ثالثاً میں انتظار کر سکتا ہوں۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کی کتابوں میں نہ علم ظاہر ہوتا ہے' نہ بھوک اور نہ انتظار۔ ایک بے صبری کا عالم ہے جس میں ہم بحیثیت قوم مبتلا ہیں اور صحیح وقت کا کسی کو انتظار نہیں ہے

o———o———o

نومبر ۱۹۸۸ء

ہم اس ماہ کا اداریہ لکھنے بیٹھے ہی تھے کہ ممتاز محقق' دانشور اور شاعر محترم مشفق خواجہ صاحب کا ایک مکتوب موصول ہوا' جس میں انہوں نے ادبی رسائل کی صورت حال کے حوالے سے ہمارے موقف کی بھرپور تائید کی ہے۔ لہٰذا اسے من و عن شائع کیا جا رہا ہے کہ شاید کہ ترے دل میں....

محترمی و مکرمی: آداب

گزشتہ چند مہینوں سے "شام و سحر" باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ اس عنایت کے لئے سراپا سپاس بھی ہوں۔ اس مختصر اور سادہ رسالے میں ادب سے دلچسپی لینے والوں کے لئے بہت کچھ ہوتا ہے۔

ادبی رسالوں کی بڑی تعداد عموماً اعزازی طور پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں ذاتی طور پر یہ پسند کرتا ہوں کہ رسالے خرید کر پڑھوں۔ اس لیے دو سال کا زر سالانہ (بصورت چیک) ارسال کر رہا ہوں جب یہ رقم خرچ ہو تو اگلا شمارہ بذریعہ وی پی بھجوایا جائے۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں

خیر اندیش

مشفق خواجہ

o———o———o

دسمبر ۱۹۸۸ء (عظیم قریشی نمبر)

بنجر زمینوں کا سیم اور تھور زمین کی تخلیقی قوتوں کو ختم کرنے کا موجب بنتا ہے۔

اسی طرح ذہن کا سیم اور تھور کسی بھی قوم کو غیر تخلیقی بنا دیتا ہے' جو سب کے لئے خطرناک ہے۔ یہ بنجرپن تہذیبی نشوونما کے راستے میں حائل ہوتا ہے۔ آمریت کا کردار سیاست میں لوگوں کو غلام بنانے کا باعث بنتا ہے اور جمہوریت میں انسان اپنے آپ کو آزاد محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس طرح اس کا ذہنی معیار بلند ہونے کے ساتھ ساتھ غیر تخلیقی اثرات رفتہ رفتہ کم ہونے لگتے ہیں۔ جمہوریت کے آنے سے تہذیبی نشوونما کے فروغ کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا جمہوری حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ تہذیبی اذہان کی آبیاری کرتے ہوئے غیر تخلیقی رویوں کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کریں۔

اس شمارے میں اردو شعروادب کے ایک منفرد و تخلیق کار عظیم قریشی مرحوم کے فکروفن کا مبسوط مطالعہ اس خیال سے پیش کیا جا رہا ہے کہ شاید اس طرح اس شاعر کے حوالے سے کی گئی زیادتیوں کا ازالہ ہو سکے۔

maablib.org

باتیں

۱۹۸۹ء

جنوری تا دسمبر ۸۹ء

پروفیسر محسن احسان

آپ جس محنت اور لگن کے ساتھ اس بے ادبی کے دور میں ایک ادبی پرچہ نکال رہے ہیں اس کی داد دینا بے حد ضروری ہے۔

ماہنامہ شام و سحر دسمبر ۱۹۸۹ء

جنوری ۱۹۸۹ء

جس طرح حبس کے موسم میں بارش کا پہلا قطرہ خوشگوار امکانات لے کر آتا ہے اسی صورت آمریت کے طویل دور کے بعد جمہوری اداروں کی بحالی سے ایسی خوشگوار امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں کہ آمریت کے زمانے میں پیدا ہونے والا جمہوریت کش تہذیبی

اور تخلیقی بحران اب بالآخر ختم ہو جائے گا۔ موجودہ جمہوری حکومت کے حالیہ اقدامات معاشرے پر نہایت خوش کن اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ خاص طور پر پریس اور اس سے متعلقہ مسائل کی طرف جس طرح توجہ دی جا رہی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب بالآخر ادبی رسائل کی بھی قسمت بدلنے والی ہے۔ ادبی رسائل جن اعلی اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے جو شبانہ روز جدوجہد کر رہے ہیں وہ بجائے خود ایک بہت بڑا جہاد ہے۔ مالی خسارے اور بے جا بندشوں کے باوجود ادبی رسائل عوام الناس کے اذہان کی جس طرح آبیاری کر رہے ہیں وہ چشم معنی آشنا سے پوشیدہ نہیں' لہٰذا اب موجودہ حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ادبی رسائل کی اس ناگفتہ بہ صورت حال کا معروضی تجزیہ کرے اور کچھ ایسے اقدامات کرے کہ ملک عزیز میں اور ادبی رسائل کو بہتر اور آبرومندانہ زندگی گزارنے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع فراہم ہو سکے۔

نئے سال کا امید افزا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ ہم نے گزشتہ برس محدود وسائل کے باوجود ادب کے میدان میں جو کچھ کیا وہ "رفتار شام و سحر" کے عنوان سے مجلّہ ہذا کے اس شمارے میں شامل ہے۔ اس سلسلے میں ہم تمام قارئین اور تخلیق کاروں کے شکر گزار ہیں اور دست بدعا ہیں کہ نیا سال ہم سب کے لئے پائیدار خوشیاں اور دیرپا مسرتیں لائے (آمین)

O———O———O

فروری' مارچ ۱۹۸۹ء (ساحر لودھیانوی نمبر)

تخلیقی اذہان کے حامل افراد عام طور پر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کی تخلیقات مناسب وقت اور مقام پر شائع نہ ہونے کے باعث اپنا اثر کھو بیٹھتی ہیں۔ اس سلسلے میں وہ ادبی رسائل کے قحط کا تذکرہ کرتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ادبی

رسائل کا اجراء ہو تاکہ ان کے ذریعے معاشرے میں موجود غیر تخلیقی قوتوں کی بیخ کنی کی جا سکے۔ اس تصویر کا دوسرا رخ اس کے برعکس ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ بیشتر ادبی رسائل تخلیق کاروں کی گروہ بندیوں اور عدم تعاون کی وجہ سے سسک سسک کر دم توڑ گئے۔ اور جو باقی رہ گئے' ان پر نزع کا عالم طاری ہے۔ لہٰذا اگر تخلیق کار واقعتاً ادبی رسائل کو زندہ رکھنے کے متمنی ہیں تو انھیں اپنی معتبر تخلیقات سے رسائل کی شکم سیری کرنا ہوگی اور بلاشبہ رزاقی ایک مستحسن اور قابل قدر عمل ہے۔

اس شمارے میں ہم نے برصغیر کے ممتاز شاعر اور گیت نگار ساحر لودھیانوی کی شخصیت اور فن کی مختلف جہتوں کا سراغ لگانے کی سعی کی ہے۔ اس مقصد میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں' اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے.....؟

O———O———O

اپریل ۱۹۸۹ء

جمہوریت کی بحالی کے ساتھ ہی فکر و دانش کی سطح پر یہ مسئلہ سب سے پہلے ابھر کر سامنے آیا ہے کہ ایک صحیح جمہوری معاشرے کی بنیاد رکھنے کے لئے کن فکری اور جمہوری اقدار کی ضرورت ہوگی۔ جمہوریت بنیادی طور پر افکار و نظریات کی رنگارنگی اور اختلاف رائے کو قبول کرتی ہے جبکہ آمریت میں مخصوص ترجیحات اہم ہو جاتی ہیں اور مخصوص نظریات کو بزور منوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ جمہوری

اداروں کو مستحکم ہونے کا موقع بہت کم ملا ہے' اس لئے جمہوریت کی بحالی کے بعد بھی بعض اوقات مختلف سیاسی گروہوں کی طرف سے انتہا پسندی کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے' تاہم توقع کی جا سکتی ہے کہ جیسے جیسے جمہوری ادارے مستحکم ہوں گے' اسی طرح منفی رجحانات دبتے چلے جائیں گے۔

ایک جمہوری معاشرہ ادیب اور فنکار کی تخلیقی سرگرمیوں کے لئے مناسب حالات اور بہتر ماحول فراہم کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ادیب اور فنکار بالعموم آمرانہ حکومتوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ موجودہ حالات میں تمام تخلیق کاروں کا یہ فرض ہے کہ وہ معاشرے میں نئی فکری بحثوں کا آغاز کریں تاکہ ہماری تہذیبی زندگی کو ایک نئی سمت مل سکے۔ "شام و سحر" کے صفحات ایسی فکری بحثوں کے لئے حاضر ہیں۔

o———o———o

مئی ۱۹۸۹ء

ہر تخلیق کار کا اپنا ایک نقطہ نظر ہوتا ہے' جس کی ترسیل کے لئے وہ ادب و شعر کو وسیلہ بناتا ہے۔ تاہم اگر کوئی ادیب اپنے نظریئے کو حرف آخر سمجھتے ہوئے اسے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو یہ ناانصافی ہی نہیں ادبی بددیانتی بھی ہے۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے اصحاب کسی بھی طبع شدہ تخلیق پر رائے زنی کرتے ہوئے اس کے تنقیصی پہلوؤں کی طرف طرح طرح کے اشارے کرتے ہیں' مگر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اس نقطہ نظر کو تحریری صورت میں پیش کریں تو وہ پہلوتہی کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو اس کا بنیادی سبب یہی ہوتا ہے کہ ایسے نام نہاد "نقاد" خود تو کچھ کرنے کے اہل نہیں ہوتے اور دوسرے تخلیق کاروں کی حوصلہ شکنی کرکے انہیں بھی تخلیقی سرگرمیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کسی کی رائے سے اختلاف کرنا کوئی بری بات نہیں لیکن اگر یہ اختلاف تعمیری

کی بجائے تخریبی صورت اختیار کر جائے تو اس کے بہت سے مضر پہلو بھی ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں' لہٰذا ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنی خامیوں اور دوسروں کی خوبیوں پر توجہ دیں۔

O————O————O

جون ۱۹۸۹ء

برصغیر پاک و ہند میں ادبی رسائل نے محدود وسائل کے باوجود عوام الناس میں جس طرح فکری انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی وہ اظہر من الشمس ہے۔ آج بھی ایک معیاری ادبی رسالے کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ معاشرے میں علمی' تہذیبی اور تخلیقی فضا پیدا کرنے میں حتی المقدور معاونت کرے۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے وہ ادبی رسائل دھڑے بندی' خود نمائی اور سطحی سیاست کا شکار ہو کر اپنی اہمیت اور افادیت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ بات انتہائی افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے۔

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر قاری کا رشتہ ادب سے بالکل ہی ٹوٹ چکا ہے۔ اب یہ عصر حاضر کے رسائل کا فرض ہے کہ وہ اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو نہایت احتیاط اور سلیقے سے جوڑیں اور اگر وہ اپنے اس فرض کو ادا نہ کر سکے تو یقین جانئے کہ ادبی رسائل اپنی شناخت کھو بیٹھیں گے۔

O————O————O

جولائی ۱۹۸۹ء

ادبی رسائل تہذیبی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ عصری ضرورت بھی ہوتے ہیں۔ ان ادبی رسائل نے وقتاً فوقتاً عوام الناس کی جس طرح ذہنی تربیت کی ہے' وہ ارباب ادب سے پوشیدہ نہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ بعض اصحاب کم ضخامت کے رسائل کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی اہمیت اور افادیت کے منکر ہیں۔ اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے عوام میں ایسے مختصر رسائل ہی سے تہذیبی اور

فکری انقلاب برپا ہوئے ہیں۔ اپنے گردو پیش پر نظر دوڑایئے تو خوبصورت اور دیدہ زیب ضخیم رسائل تو الماریوں کی زینت بن جاتے ہیں' لیکن مختصر مجلّے زیادہ وقیع اور موثر ٹھہرتے ہیں' جو قارئین کے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ انحطاط اور بحران سے نکلنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ صدق دل سے ہم فکری انقلاب برپا کرنے والے مختصر رسالوں کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کریں اور ان کے بارے میں اپنے متعصبانہ اور مفسدانہ رویوں کی اصلاح کریں کہ اس سے قومی اور ملکی مفاد وابستہ ہے۔

O———O———O

اگست' ستمبر۱۹۸۹ء (محرم نمبر)

کرب و بلا کے بے آب و گیاہ میدان میں حضرت امام حسینؑ کا راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرنا محض ایک اتفاقی حادثہ ہی نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں بہت سی تاریخی' تہذیبی اور سماجی معاملات مضمر ہیں۔ آپؑ نے اپنے مقدس لہو سے ریگ زار پر جو منشور حیات تحریر کیا تھا وہ ابد تک ہر انسان کے لئے مشعل راہ ہے۔ اگر ہم امام عالی مقامؑ کی محبت کے دعوے دار ہیں تو ہمیں بھی اسوہ شبیریؑ ادا کرنے کے لئے روز و شب تیار رہنا چاہئے

O———O———O

اکتوبر۱۹۸۹ء

یہ کہنا تو شاید انتہا پسندی ہو کہ عصر حاضر کے تخلیق کاروں کا دستور ہو گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مسائل کی پیشکش سے پہلو تہی کرتے ہیں' مگر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نئے ادبی رجحانات قارئین کا وسیع حلقہ پیدا نہیں کر سکے۔ اس طرز عمل کا منفی

نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ سنجیدہ ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جا رہی ہے اور مخرب اخلاق رسائل خوب پھل پھول رہے ہیں۔ لہٰذا زمانہ حال کے تمام تخلیق کاروں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے گردو پیش میں پھیلے ہوئے مسائل کا بغور تجزیہ کریں اور ان سے عہدہ براء ہونے کے لئے نیک نیتی سے تخلیقی سطح پر مشورے دیں۔ اگر تخلیق کاروں نے سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں جب ہمارے پیش نظر محض مسائل ہی مسائل ہوں گے اور ان مسائل کا حل ہم اپنے ہاتھ سے کھو چکے ہوں گے۔

o———o———o

نومبر ۱۹۸۹ء

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے شخصی پسند و ناپسند کو مد نظر رکھتے ہوئے اداروں کے تقدس کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ افراد کے آنے جانے سے ادارے بھی ٹوٹتے بنتے رہے ہیں اور ان اداروں کی ترقی اور ترویج کے لئے بھی کسی نے مخلصانہ کاوش نہیں کی ہے۔ یہ صورت حال اس وقت مزید خراب ہو جاتی ہے، جب ادبی اداروں کو بھی سیاسی مصلحتوں کا پابند کر دیا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں بعض ادبی اداروں میں انتظامی تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آنے والے نئے عہدے داران ان اداروں کو میلوں ٹھیلوں کا رنگ دینے کے بجائے ان میں حقیقی معنوں میں علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی رنگ بھرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ارباب بست و کشاد نے اب بھی سنجیدگی سے اعلیٰ تر افکار کے فروغ کے لئے علمی و عملی جدوجہد نہ کی تو آنے والے وقت کا سیلاب سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔

o———o———

دسمبر ۱۹۸۹ء (حلقہ اربابِ ذوق نمبر)

حلقہ اربابِ ذوق کسی منضبط منشور کی پابند تحریک نہ سہی، ایک "ادبی رجحان" ضرور ہے۔ اردو شعر و ادب میں اس حلقے نے جو تخلیقی اور تنقیدی کارنامے سرانجام دیئے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، تاہم ہمارے خیال میں حلقہ کا سب سے بڑا اور منفرد کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شعر و ادب لکھنے پڑھنے والوں میں ایک شعور پیدا کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بے شمار اندرونی اور بیرونی جوڑ توڑ اور اختلافات کے باوجود حلقہ اربابِ ذوق آج بھی اسی طرح فعال اور سرگرم ہے۔

حلقہ اربابِ ذوق کو قائم ہوئے پچاس (۵۰) برس گزر چکے ہیں اور آج کل اس کی گولڈن جوبلی نہایت دھوم دھام سے منائی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے ہم حلقے کے موجودہ عہدہ داران سے ملتمس ہیں کہ ان پر مسرت لمحوں میں وہ ان تخلیق کاروں کو ضرور یاد رکھیں جنھوں نے نامساعد حالات میں اپنا خونِ جگر دے کر بھی حلقے کی شمع کو بجھنے نہیں دیا۔

ہم نے حلقہ اربابِ ذوق کی پچاس سالہ علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس شمارے کا ایک گوشہ حلقے کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اس حوالے سے قارئین کی آراء کا انتظار رہے گا۔

ضمیر جعفری

شام و سحر جب بھی ملتا ہے ہماری شام سحر ہو جاتی ہے۔ آپ تو اجالے کے سفر پر نکلے ہوئے ہیں، سو اندھیروں میں سے بھی گزرنا پڑے گا کہ رسم زمانہ بھی ہے اور اقتضائے فن بھی۔ طمانیت کی بات یہ ہے کہ آپ بڑی پامردی سے ان اندھیروں سے گزر رہے ہیں۔ پاک پروردگار آپ کا حامی و ناصر ہو کہ وہی سب توفیقات بخشنے والا ہے۔

ماہنامہ شام و سحر جون ۱۹۹۰ء

باتیں

۱۹۹۰ء

جنوری تا دسمبر ۹۰ء

پروفیسر ممتاز حسین

شام و سحر کا تازہ شمارہ نومبر ۱۹۹۰ء ملا۔اس کا اداریہ پڑھ کر جی بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہارس ٹریڈنگ کا فقرہ خوب چسپاں کیا ہے اور پھر ادب کے قاری حضرات کو خوب چونکایا ہے۔

ماہنامہ شام و سحر دسمبر ۱۹۹۰ء

جنوری' فروری ۱۹۹۰ء (شیر افضل جعفری نمبر)

جدید دور کے قاری کو بعض اوقات ایک مسئلے کا بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ مختلف تنقیدی جائزوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس میں ان شعراء و ادبا کے نام زیادہ معروف دکھائی دیتے ہیں جو کسی خاص تحریک سے وابستہ تھے یا اپنے عہد کی ادبی محفلوں اور ادبی تقریبات میں نمایاں تھے۔ منفرد لب و لہجے کے حامل وہ شعراء یا ادباء جو بڑے ادبی مراکز سے دور تخلیقی شمعیں روشن کرتے ہیں' عام طور پر ناقدین کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اس تنقیدی رجحان کو کسی بھی صورت میں صحت مندانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جن شعراء کے ساتھ اس قسم کی ناانصافی روا رکھی گئی ہے اس کی تلافی ہونی چاہیے۔ شیر افضل جعفری کے بارے میں شمارہ مرتب کرتے ہوئے یہی بات ہمارے پیش نظر رہی ہے۔

شیر افضل جعفری' اردو کے ایک منفرد اور صاحب طرز شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سے اردو شاعری میں ایک نیا لہجہ متعارف کرایا ہے۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ ان کی شخصیت اور فن پر ابھی تک تشفی بخش کام نہیں ہوا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا دیا جلانے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اس کی روشنی میں ناقدین اور قارئین شیر افضل جعفری کی شخصیت اور فن کے کچھ نقوش دیکھ لیں گے۔

مارچ ۱۹۹۰ء

عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ جمہوری حکومتیں علم و ادب کے فروغ کے لئے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتی ہیں' تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ موجودہ دور میں ادبی رسائل کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ عوام میں علم و ادب کا شعور پیدا کرنے والے یہ رسائل بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ انھیں نہ تو سرکاری اشتہارات دیئے جاتے ہیں اور نہ انھیں رعایتی نرخوں پر کاغذ فراہم کیا جاتا ہے۔ ریلوے اور پی۔ آئی اے میں ان رسائل کے عملہ ادارت کو کسی قسم کی رعایت نہیں دی جاتی ہے۔ حال ہی میں ڈاک کے محکمہ نے ایک مضحکہ خیز ضابطہ کے تحت دو ماہ کا مشترکہ پرچہ رعایتی نرخ پر وصول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ یہ اور اسی قسم کی تمام باتیں اس امر پر دال ہیں کہ حکومت ادبی رسائل کے لئے کوئی ہمدردانہ رویہ نہیں رکھتی' حقیقت میں یہ ادبی رسائل علم دوستی اور ادب پروری کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور ان سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ معیاری ادبی رسائل کے مسائل معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کرے' تاہم اگر حکومت معتبر ادبی رسائل کے جائز مسائل کو حل کرنے سے اسی طرح پہلو تہی کرتی رہی تو موجودہ نامساعد حالات میں یہ ادبی رسائل بند ہو جائیں گے اور ان کا خون حکومت کے سر ہوگا۔

o——————o——————o

اپریل ۱۹۹۰ء

ادبی رسائل کے ساتھ حکومت کا غیر ہمدردانہ رویہ سب پر عیاں ہے۔ اشتہارات اور نیوز پرنٹ کے سلسلے میں ان رسائل کے ساتھ جو بے رخی برتی جا رہی ہے' اس کے اثرات مخرب اخلاق ڈائجسٹوں کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں ڈاک کے محکمہ نے ان ادبی رسائل پر یہ قانون نافذ کر کے مزید ایک ضرب لگائی ہے کہ اب

دو ماہ کا رسالہ رعایتی نرخوں پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دو ماہ کا اکٹھا شمارہ کسی خاص نمبر یا خصوصی مطالعے کی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ اب اگر محکمہ یہ رعایت واپس لے لیتا ہے تو اس صورت میں دس پیسے کے بجائے عام ڈاک کا ٹکٹ لگانا پڑتا ہے۔ جو ادبی رسائل کے ساتھ سراسر ناانصافی بلکہ زیادتی ہے۔ حکومت سے ہماری درخواست ہے کہ وہ گذشتہ مروجہ طریقہ کار بحال رکھے تاکہ ادبی رسائل اس جمہوری دور میں اپنی گنی چنی سانسیں لے سکیں۔

آئندہ شمارے سے ہم "ادبی مباحث" کے عنوان سے عصر حاضر کے بعض اہم ادبی مسائل پیش کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی رائے سے نوازیں گے۔

O———O———O

مئی' جون ۱۹۹۰ء (قیصر بارہوی نمبر)

عصر حاضر میں قیصر بارہوی وہ منفرد شاعر ہیں' جنھوں نے غزل و مرثیہ کے امتزاج سے جمال و جلال کا ایک نیا ذائقہ روشناس کرایا ہے۔ غزل کا جمال اور مرثیے کا جلال یکجا ہو کر قیصر بارہوی کا شعری منظر نامہ مرتب کرتے ہیں۔ آپ نے یوں تو مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی' مگر آپ کی پچاس سالہ علمی و ادبی خدمات کی تکمیل کے اعتراف میں پورے پاکستان میں آپ کی گولڈن جوبلی منائی جا رہی ہے۔ یہ انتہائی خوش آئند اقدام ہے کہ ہم کسی بھی تخلیق کار کی شعری کارگزاریوں کا اعتراف کر کے ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ اس اقدام سے ایک طرف تو قارئین اپنی پسند و ناپسند کا سامان مہیا کر لیں گے اور دوسری طرف خود شاعر کو موقع مل جائے گا کہ وہ مختلف تنقیدی رویوں کے پیش نظر خود اپنا محاسبہ کر لے اور حیات و کائنات کے جو اہم گوشے اس کی نگاہ سے اوجھل ہیں' انھیں سامنے لائے۔

قیصر بارہوی جدید غزل اور مرثیے کے منفرد اور ممتاز شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں کی کتاب "امتزاج" نقادان فن سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے اسی طرح ان کے مرثیے اہل ادب اور اہل نظر سے سند قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب قیصر بارہوی وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اپنے قارئین کو ایسے خیالات اور ایسے افکار عالیہ سے نوازیں گے جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۰ء

ہمارے معاشرے میں چیزوں کو سطحی نگاہ سے دیکھنے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس افسوسناک صورتحال کے نتیجہ میں ہمارا رشتہ اپنی دانشورانہ تہذیبی روایت سے منقطع ہو گیا ہے اور ہم رفتہ رفتہ ذہنی بنجرپن کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ شعر و ادب کے حوالے سے یہ صورت حال مزید تشویش ناک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ پڑھنے والے زیادہ ہوتے تھے اور لکھنے والے کم اور اب معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہماری ناگفتہ بہ علمی و ادبی صورت حال کو ایک نقاد کے فقط ایک جملے کے پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے کہ:۔ "پرانے زمانے میں لوگ کتابوں کی کمیابی کی وجہ سے جاہل رہ جاتے تھے اور آج کل کتابوں کی کثرت سے"

اس معیوب صورت سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم مطالعہ کی عادت ڈالیں تاکہ ہماری تحریر ہماری فکری و فنی اور مطالعاتی ریاضت کا مظہر بن سکے۔ اگر ہم نے "کاتا اور لے دوڑے" والا طرز عمل اپنائے رکھا تو ہم اپنی بے مصرف تحریروں کے بوجھ تلے پس جائیں گے۔

O———O———O

(نوٹ) بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اگست ۱۹۹۰ء کا شمارہ شائع نہیں ہو سکا۔

ستمبر ۱۹۹۰ء (محرم نمبر)

سید الشہداء حضرت امام حسینؓ نے محرم کے مہینے میں ریگزار کربلا پر اپنے خون سے دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے جو عبارت تحریر کی تھی، وہ کل کی طرح آج بھی روشن اور تابناک ہے۔ کربلا کا واقعہ محض ایک سانحے کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوا، بلکہ اس کے ذریعے حق و باطل کے درمیان ایک فصیل کھنچ گئی ہے۔ اب حسینؓ و یزید فقط دو افراد کے نام ہی نہیں رہے، بلکہ یہ دو قوتوں اور دو علامتوں کے نام بن گئے ہیں۔ امام حسینؓ حق و صداقت، جرات مندی، ایثار و قربانی اور روشنی و تابناکی کی علامت بن گئے ہیں اور یزید ظلم و شقاوت، جبر و بربیت اور سفاکی و تاریکی کی علامت بن گیا ہے۔ کربلا کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے۔ اب ہمارے سامنے دو راستے واضح ہو گئے ہیں۔ ایک راستہ یزید کی طرف جاتا ہے اور دوسرا حضرت امام حسینؓ کی سمت۔ محرم کا مہینہ ہمارے واضح فیصلے کا مہینہ ہے۔ عصر حاضر میں بھی ہمیں جس یزیدیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں حسینی فکر و عمل کی ضرورت ہے۔

آیئے مل جل کر عہد کریں کہ سید الشہداءؓ نے کربلا کے میدان میں اپنے خون سے جو شمع روشن کی تھی، ہم اسے کسی بھی صورت نہیں بجھنے دیں گے۔

o———o———o

اکتوبر ۱۹۹۰ء

عصر حاضر کی غیر یقینی سیاسی صورت حال نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ آج کل ہر ادیب اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ وہ کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہو کر اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرے۔ اس افسوسناک صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ادیب کی فطری آزادی سلب ہوتی جا رہی ہے اور ادب جذباتی نعروں کی زد میں آ چکا ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ادیب دیانتداری سے اپنے نظریات کو پیش کرے اور کسی قسم کی سیاسی گروہ بندی میں مبتلا ہوئے بغیر حق و صداقت کے علم کو بلند رکھے۔ اگر تخلیق کاروں نے یہ رویہ

اختیار کیا تو موجودہ دور میں لکھا جانے ولا تمام ادب اپنی حیثیت کھو بیٹھے گا۔

نومبر۱۹۹۰ء

عصر حاضر میں سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ادبی تخلیق کار بھی اپنا چولا بدلنے کی فکر میں ہیں۔ آپ اس صورت حال کو "ادبی ہارس ٹریڈنگ" قرار دے سکتے ہیں۔ نظریات کی تبدیلی کوئی حتمی رویہ نہیں ہے۔ لیکن ہوا کا رخ دیکھ کر نظریات کی تعمیر و تشکیل' ادیب' ادب اور قاری تینوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادبی تخلیق کار ذاتی منفعت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ادبی نظریات پیش کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ قارئین کا اولین فرض ہے کہ وہ ان تخلیق کاروں پر کڑی نگاہ رکھیں' جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی اپنی وابستگیاں تبدیل کر لیتے ہیں۔ اگر تخلیق کاروں اور قارئین نے ہماری اس گزارش کو قابل توجہ نہ سمجھا تو وہ دن دور نہیں جب معاشرے سے تخلیق کاروں کا کردار ختم ہو جائے گا اور ادب اپنی افادیت کھو بیٹھے گا۔

دسمبر۱۹۹۰ء

مہذب معاشرے میں تخلیق کاروں کو جو مراعات دی جاتی ہیں' اس کے بدلے میں تخلیق کار اپنی تخلیقات کے ذریعہ سے معاشرے کو زندہ جاوید کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں سب سے دگرگوں حالت تخلیق کار کی ہوتی ہے۔ اس کو بنیادی سہولتیں تو درکنار' تخلیقی ہنر کے اظہار کے لئے وسائل بھی میسر نہیں ہوتے ہیں۔ حکومت آئے دن تخلیق کاروں کی فلاح و بہبود کے لئے نت نئے منصوبے پیش کرتی رہتی ہے اور اوپری سطح کے چند لوگ شاید اس منصوبے سے فائدہ بھی اٹھالیتے ہوں لیکن باہنر اور کھرے تخلیق کار کا ہاتھ کسی کے سامنے کبھی دراز نہیں ہوتا۔ اب یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان مفاد پرست اور خوشامدی تخلیق کاروں کے چنگل سے نکل کر حقیقی اور باصلاحیت تخلیق کاروں کو تلاش کرے اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرے۔ اگر ارباب اختیار نے یہ رویہ نہ اپنایا تو ہم جہالت کو فروغ دیتے رہیں گے اور ناعاقبت اندیشوں کے "واہ واہ" میں پھنس کر اپنی تہذیب و ثقافت کی معنوی حیثیت کھو بیٹھیں گے۔

باتیں

۱۹۹۱ء

جنوری تا دسمبر ۹۱ء

ڈاکٹر سعادت سعید

آپکی ادارات میں منظر عام پر آنے والے شام و سحر کے پرچے اپنے علمی وادبی معیار کے اعتبار سے منفرد اور ممیز ہیں ان میں کلاسیکی اور جدید رویوں کا امتزاج نظر آتا ہے دور جدید میں اعلیٰ ادبی پرچے کم یاب ہیں آپ نے مختلف شاعروں اور ادیبوں پر مضامین کے نادر مجموعے تیار کئے ہیں۔آپ کے یہ خاص نمبر قارئین ادب کے لئے مفید ثابت ہوتے رہیں گے مختصر ادارتی مدت میں آپ نے متعدد نئے ادیبوں اور شاعروں کی متعارف کروایا ہے ثقہ اور بزرگ ادیبوں سے اعانت حاصل کی ہے تخلیقی اذہان کے حامل نوجوان دانشوروں کی تحریروں سے رسالے کے صفحات کو وقیع بنایا ہے۔امید ہے آپ آئندہ بھی یہ معیار برقرار رکھیں گے۔

ماہنامہ شام و سحر فروری ۱۹۹۱ء

جنوری ۱۹۹۱ء

عصر حاضر کی خراب اخلاقی صورت حال نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ آج کل کا ہر معمولی تخلیق کار خود کو "علامہ" اور اپنی تحریر کو "حرف آخر" سمجھنے لگا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اگر کوئی غیر جانبدار نقاد ایسے تخلیق کار کی کسی کوتاہی پر گرفت کرے تو وہ خود ساختہ علامہ اخلاقیات کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مرنے مارنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اس ملال انگیز صورت حال کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ نقاد جو ستائش باہمی کے نظریے کے تحت ہر الٹا سیدھا لکھنے والے کو زمانے کا مجدد ثابت کر دیتا ہے' یا وہ قاری جس کا ذہنی افق انتہائی پست ہو چکا ہے' یا وہ معاشرہ جو غیر اہم چیزوں کو معتبر ثابت کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ بہرحال اس ناگفتہ بہ صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہو رہا ہے کہ دیوانہ اپنی بڑ کو اپنے ذاتی اثر و رسوخ کے ذریعے سے پھیلانے میں ایک حد تک کامیاب ہوتا جا رہا ہے' اور وہ وقت دور نہیں جب اچھے نقاد بھی بری تخلیق کو برا کہنے سے اجتناب کرنے لگیں گے۔ اور ادب میں یہی وقت زوال کا لمحہ ثابت ہو گا۔ اگر ہم اپنے معاشرے میں ادبی اقدار کا زوال نہیں چاہتے تو ہمیں مثبت تنقید سننے کے لئے حوصلہ پیدا کرنا ہو گا۔

فروری ۱۹۹۱ء

عصر حاضر میں ادبی رسائل کو باقاعدگی سے شائع کرنا ایک جہاد سے کم نہیں ہے۔ مختلف ادبی رسائل کی جانب سے حکومت وقت کو بار بار یہ احساس دلایا جاتا رہا ہے کہ اگر حکو نے تو نہ دی تو رسائل بند ہو جائیں گے اور ان کی جگہ مخرب اخلاق

ڈائجسٹ لے لیں گے۔ انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت کے کان پر مدیران جرائد کی اس آواز سے جوں تک نہیں رینگتی' بلکہ وہ آئے دن نت نئے اصول و قوانین وضع کر رہی ہے' جو ادبی رسائل کو بہت جلد ختم کرنے کا موجب بن جائیں گے۔

حال ہی میں محکمہ ڈاک نے ایک تحریری حکم نامہ جاری کیا ہے کہ تمام رسائل ایک مخصوص ڈاک خانے سے پوسٹ ہوا کریں گے۔ اس کے علاوہ دو ماہ کا رسالہ اکٹھا پوسٹ نہیں کیا جا سکے گا اور اگر رسالہ مقررہ تاریخ تک کسی بھی سبب سے ارسال نہیں کیا جا سکا تو اس کی ترسیل کے لئے کوئی توسیعی تاریخ نہیں دی جائے گی۔ یہ قانون بنانے والے انتہائی کور چشم ہیں کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ ادبی رسائل جن نامساعد حالات سے گزر رہے ہیں' اس صورت میں ایسے ضابطے ان کو بے موت مارنے کا سبب بن جائیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے غیر فطری اور غیر منصفانہ قوانین بنانے سے قبل رسائل کے مالکان کو بھی اصول سازی کے لئے اپنے ساتھ شامل کر لیا جائے تو شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل سامنے آ سکے' ورنہ اس صورت حال میں ادبی رسائل جلد ہی بند ہو جائیں گے اور ڈاک کا محکمہ انتہائی پر سکون ہو جائے گا۔

مارچ ۱۹۹۱ء

عصر حاضر میں "زرد صحافت" نے جو گل کھلائے ہیں' ان سے صاحبان دانش بخوبی آگاہ ہیں۔ اس زرد صحافت نے سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ ہمارے ادب کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ آپ موجودہ دور میں نکلنے والے ادبی رسائل کا بغور مطالعہ کیجئے تو اس میں آپ کو ستائش باہمی' ذاتی تشہیر اور سنسنی خیز مواد کے علاوہ شاید ہی کوئی کار آمد اور مفید چیز دستیاب ہو سکے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عصر حاضر میں تخلیق ہونے والا بیشتر ادب "زرد ادب" کہلانے کا مستحق ہے۔ اس مجموعی ادبی صورت حال نے قاری کو ادب سے بدظن کر

دیا ہے اور نتیجتاً اس نے مخرب اخلاق ڈائجسٹوں میں پناہ لے لی ہے۔ لہٰذا معتبر ادیبوں کا فرض ہے کہ اب وہ قاری، ادیب اور ادب کے مثلث کو مربوط بنانے کے لئے اپنا فرض ادا کریں اور ایسا ادب تخلیق کریں جو ایک جانب تو ہمارے عصری مسائل کی نشاندہی کرے اور دوسری جانب قارئین کے لئے باعث طمانیت ہو۔

O——————O——————O

اپریل ۱۹۹۱ء

اردو زبان کے فروغ کے لئے حکومتی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں، اس سے کوئی محب وطن غافل نہیں تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تہذیبی رویوں کی بھی قدر افزائی کی جائے، جن کے سبب سے اردو زبان معرض وجود میں آئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان دیگر علاقائی زبانوں کا جوہر ہے اور ہم علاقائی زبانوں کی جتنی دیکھ بھال کریں گے، اردو زبان اتنی ہی زیادہ سرسبز و شاداب ہوتی چلی جائے گی۔ لہٰذا حکومت کو چاہئے کو وہ پاکستان کی علاقائی زبانوں کی آبیاری کے لئے بھی ممکنہ وسائل استعمال کرے۔ صوبائی حکومتیں اپنی بساط بھر اس امر کی کوششیں کر رہی ہیں کہ طلبہ کی ابتدائی تعلیم ان کی اپنی مادری زبان میں ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ قومی زبان کی اہمیت اور افادیت برقرار رہے۔ کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو صوبائیت کا زہر پھیل کر پورے ملک کو لپیٹ میں لے لے گا اور قومیت کا تصور نئی نسل کے ذہنوں سے معدوم ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ریڈیو۔ٹی وی کے علاوہ اخبارات اور رسائل پر بھی بڑی ذمہ داری آتی ہے۔

ہماری کوششیں ہونی چاہئے کہ پاکستان کے رسائل میں علاقائی بولیوں کے ساتھ وہاں کی معاشرتی زندگی کی عکاسی اس خوبی سے ہو کہ پاکستانی تہذیب کے نمایاں خدوخال واضح ہو جائیں اور ایک علاقے کا عام آدمی اپنے پورے ملک کی تہذیب و ترقی میں دلچسپی لینے لگے۔ ایسا کرنے کے لئے ایک جامع منصوبے کی ضرورت ہے اور ہمارا خیال ہے

کہ موجودہ حکومت اس اہم کام سے غافل نہیں ہوگی۔

o———o———o

مئی ۱۹۹۱ء

موجودہ دور میں معتبر تخلیق کار ایک سنجیدہ مسئلے سے دوچار ہیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی تخلیقات زیور طبع سے کیسے آراستہ ہوں؟ ہوشربا گرانی نے انسان سے زندگی بسر کرنے کا حق چھین لیا ہے۔ ایسی صورت میں تخلیق کار اپنی تخلیقات سے زیادہ مسائل حیات کو سلجھانے میں وقت صرف کرنے لگے ہیں۔ اس طرح بہت سی اچھی تخلیقی کاوشیں منظر عام پر نہیں آتیں۔ اس صورت حال کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ بازار میں غیر معیاری کتابوں کی بہتات ہو گئی ہے۔ سنجیدہ قاری ایسے ادب کو پڑھنا پسند نہیں کرتے اور غیر معیاری تخلیقات کو ادبی لحاظ سے کوئی وقیع مقام دینے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اجتماعی اور انفرادی ہر سطح پر اعلیٰ تخلیقات کو منظر عام پر لانے کے لئے جدوجہد کریں اور حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ ذاتی و سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے اداروں کو علم و فن کی خدمت پر مامور کرے۔

o———o———o

جون ۱۹۹۱ء

عصر حاضر میں رونما ہونے والے پر تشدد واقعات نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تخلیق کار کے مزاج و مذاق میں ایسی تندی اور ترشی پیدا ہو گئی ہے' جو کسی بھی صورت میں قابل تحسین نہیں۔ اگر اس کرختگی کا اظہار ادبی تخلیق کی صورت میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں' تاہم یہی رویہ اگر عملی سطح پر ظاہر ہونے لگے تو نقص بن جاتا ہے۔ آپ اپنے اردگرد نظر دوڑایئے' آپ کو کئی تخلیق کار ایسے ملیں گے جو اپنی سیاسی ہیرا پھیری یا اپنے عوامی تعلقات کی اصل

تخلیق کاروں کا حق مار کر ان کی جگہ براجمان ہیں۔ جب کوئی نقاد یا دانشور ان کی ان حرکات پر سرزنش کرتا ہے تو وہ خود ساختہ تخلیق کار تشدد پر اتر آتے ہیں اور قلمی سے زیادہ عملی سطح پر نقصان پہنچانے کی سعی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تخلیق کاروں کے اس رویے کی بیخ کنی نہ کی گئی تو ادب اور معاشرے دونوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۱ء

عصر حاضر میں جو نثری یا شعری ادب تخلیق ہو رہا ہے' اس میں حد سے زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ آپ شائع ہونے والی کوئی بھی نثری یا شعری تخلیق اٹھالیں تو آپ کو یقیناً محسوس ہو گا کہ وہ تخلیق آپ کی نظر سے گزر چکی ہے...... آج کل ادب میں یہ صورت حال کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اس کا جواب تو ارباب دانش ہی دیں گے' تاہم ہمارے خیال میں اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تخلیق کار کا ذوق مطالعہ ختم ہو چکا ہے اور اب وہ اپنے تخیل کو صحیح طور پر استعمال کرنے پر بھی قادر نہیں رہا۔ یہی سبب ہے کہ کچا پکا خیال آتے ہی عصر حاضر کا تخلیق کار بغیر سوچے سمجھے "کانا اور لے دوڑا" کے مصداق اسے اپنی نثری یا شعری تخلیق میں جگہ دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ تخلیق ہنر مندی یا فنی ریاضت سے محروم رہ جاتی ہے۔ اسی بناء پر تمام تخلیق کاروں کی تخلیقات میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تخلیق کار اپنی تخلیقات میں اپنی ہنرمندیوں کا اظہار کریں اور اس سلسلے میں انہیں جو ریاضت درکار ہے اسے بروئے کار لائیں۔

O———O———O

اگست ۱۹۹۱ء

ایک زمانہ تھا جب اردو کے ادبی رسالے حرز جان بنے ہوئے تھے۔ ہر پڑھا لکھا

انسان ادبی رسالوں کو خریدنا اور انہیں پڑھنا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا۔ رسائل کا لائبریریوں اور گھروں میں رکھنا ایک طرح کا فیشن بن گیا تھا۔ اثنائے گفتگو اگر یہ علم ہو جاتا تھا کہ کسی نے ملک میں شائع ہونے والا اہم رسالہ نہیں پڑھا تو ہم نفسوں اور ہم عصروں میں نہ پڑھنے والے کو احساس ندامت ہوتا تھا۔ کسی زمانے میں اردو ادبی رسالے کم تھے' لیکن جو تھے وہ معیاری تھے رسالوں کا معیار اچھے مضامین نظم و نثر سے لگایا جاتا تھا' اس کی تعداد اشاعت سے نہیں متحدہ ہندوستان کے نامی گرامی ادیب اور شعراء کے مضامین اور ان کی نظموں سے معیار کا تعین ہوتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد رسالوں کی تعداد تو بڑھ گئی' لیکن ان کے معیار میں کمی آگئی۔ اس کے باوجود بعض معروف رسائل نے اردو ادب کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا' لیکن چند ہی برس بعد بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر رسائل کی طرف سے بے اعتنائی برتی جانے لگی' اور اب یہ حال ہے کہ اچھے رسالے شدید مالی بحران سے دوچار ہیں۔ کیا حکومت پاکستان کوئی ایسا طریقہ وضع نہیں کر سکتی' جس سے معیاری رسائل نہ صرف برقرار رہیں بلکہ ان کی افادیت میں بھی اضافہ ہو۔

رسالہ "شام و سحر" بیس (۲۰) سال سے اردو ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کے متعدد گرانقدر نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ پورے پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں کا اسے تعاون حاصل ہے' لیکن نہ حکومت نہ محکمہ تعلیم اس سلسلے میں کوئی مدد کرنے کو تیار ہے....... حکومت کو چاہئے کہ وہ ادبی رسائل کی طرف توجہ دے اور انہیں درپیش مسائل کو حل کرنے میں خلوص سے کام لے۔

ستمبر ۱۹۹۱ء

اخبارات کے ادبی صفحات کسی زمانے میں معتبر تخلیقات کی اشاعت کی بنا پر قارئین میں بے حد مقبول رہے ہیں' تاہم عصر حاضر میں اخبارات کے ادبی صفحات مدیران کی تصاویر' اقرباء کی خبروں اور مہمان نواز شاعروں کی تخلیقات سے بھرے ہوتے ہیں۔

ایک مخصوص نقطۂ نظر کے تحت یہ تمام چیزیں فقط ذاتی فوائد کے حصول کے لئے ہوتی ہیں۔ اور ادب کے فروغ یا ادبی اقدار کی آبیاری میں ان کا کوئی قابل ذکر حصہ نہیں ہوتا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک طرف غیر معیاری ادب شائع ہو رہا ہے اور دوسری جانب مضافات میں رہنے والے ادباء اور شعراء کی "پبلک ریلیشننگ" نہ ہونے کے سبب ان کے لئے سراسر مایوسی پھیل رہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جدید لکھنے والے اب ریاضت سے زیادہ اشاعت کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح یہ ادبی صفحات اپنے فرض منصبی سے نہ صرف کوسوں دور ہیں بلکہ سروست تو محض "من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو" کی کیفیت طاری ہے اور ایک ادبی صفحے کا مہتمم دوسرے کی مدح سرائی میں مصروف ہے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سرسری طور پر لکھی جانے والی تخلیقات کو خوب جانچ پرکھ کر ادب میں شامل کیا جائے' ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ جب غیر معیاری تخلیقات شہرت کی آڑ لے کر اہم ترین تخلیقات پر قبضہ جمالیں گی اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

اکتوبر ۱۹۹۱ء

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم معاشرے میں جوہر قابل کی کمی کا رونا تو روتے رہتے ہیں' لیکن دستیاب جوہر کی پذیرائی سے بھی پہلو تہی کرتے رہتے ہیں۔ ان نامساعد حالات کی وجہ سے اپنے خفتہ جوہر کا اظہار ہی نہیں کرپاتے اور اگر کوئی اپنی ہمت سے اظہار کر بھی دیتا ہے تو ہم اس کی قدر افزائی نہیں کرتے۔ ہمارا اولین فریضہ یہ ہے کہ ہم ہر شعبہ زندگی کے معتبر اور ممتاز افراد کی فہرست مرتب کریں اور ان کی قابلیتوں سے ہر ممکن استفادے کی کوشش کریں...... ادبی میدان میں ایسے افراد کی کمی نہیں' جو اپنی صلاحیتوں کا اظہار تو کرنا چاہتے ہیں' لیکن روزگار کے مسائل انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر نہیں کرنے دیتے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسے منتخب اور یگانۂ روزگار افراد کے جوہر قابل کو تلف ہونے سے بچائے اور اور انہیں سکون سے تحقیق و تنقیدی کام کرنے کا موقع فراہم کرے۔ عوام کو چاہئے کہ وہ ایسے تخلیق کاروں کی پذیرائی کریں تاکہ ان کا حوصلہ بلند ہو اور ان کے زیادہ سے زیادہ کارنامے منظر عام پر آسکیں۔

نومبر ۱۹۹۱ء کہا جاتا ہے کہ کسی ملک کے وقار کا تعین اس کے تعلیمی نظام سے کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں تعلیم کی ابتر صورت حال نے ملکی و بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے تشخص کو جس بری طرح پامال کیا ہے' اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ہر آنے والی حکومت اپنا نظریاتی تعلیمی نظام لائی ہے اور حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ نظام بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے اور خدا جانے کب تک جاری رہے گا..... اس صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ طلباء میں تعلیم سے دلچسپی کا رجحان ختم ہو گیا ہے اور اس بے یقینی کی صورت حال کے باعث تعلیمی سرگرمیوں کا فقدان ہوتا جا رہا ہے۔ اب حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ایک مستقل تعلیمی نظام مرتب کرے' جس میں نظریاتی مفاد کے بجائے ملکی مفاد پیش نظر ہوں اور اس نظام کی تشکیل کے وقت ملک کے تعلیمی ماہرین سے خاطر خواہ استفادہ کیا جائے..... اگر حکومت نے خلوص نیت سے اس تجویز پر عمل درآمد کیا تو ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ کام ملک و قوم کی اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالا دینے کا باعث بن جائے۔

○———○———○

دسمبر ۱۹۹۱ء تنقید ادب کا فلسفہ ہے۔ جس طرح فلسفہ زندگی میں پیدا ہونے والے کیا' کیوں' کب اور کیسے؟ کا جواب دیتا ہے' اسی طرح تنقید ادب کے حوالے سے جنم لینے والے اہم سوالات کا جائزہ لیتی ہے۔ اس اعتبار سے نقاد کا کام بے حد کٹھن ہو جاتا ہے کہ اسے اہم ادبی معاملات پر رائے زنی بھی کرنا ہوتی ہے اور تخلیق کو اس کا صحیح اور جائز مقام بھی عطا کرنا ہوتا ہے۔ یہ بات انتہائی ملال انگیز ہے کہ عصر حاضر کی تنقید' تحسین اور تنقیص کے دائروں میں بٹ گئی ہے۔ بیشتر تنقیدی تخلیقات یا تو "باہمی ستائش" کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہیں یا کسی برہمی کا نتیجہ ہوتی ہیں' اس صورت حال کے نتیجے میں قاری کا اس "شگفتہ تنقید" سے اعتبار اٹھ گیا ہے تنقید پر قاری کے اعتبار کو بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عصر حاضر کے ناقدین غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں' ورنہ تنقید کی اس ناگفتہ بہ حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے قارئین بھی کرکٹ کی دنیا کی طرح ادبی دنیا میں "نیوٹرل نقاد" کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے

○

باتیں

۱۹۹۲ء

جنوری تا دسمبر ۹۲ء

maablib.org

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

آپکی تحریریں برابر دیکھ رہا ہوں اور آپ کا رسالہ پابندی سے مل رہا ہے شام و سحر کس کے قابو میں آتے ہیں لیکن آپ نے انہیں ہر طرح قابو میں کر لیا ہے صرف یہی نہیں کہ پرچہ پابندی اوقات کے ساتھ شائع ہو رہا ہے بلکہ اس کی صورت اور سیرت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔اس کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

ماہنامہ شام و سحر اگست ۱۹۹۲ء

maablib.org

جنوری ۱۹۹۲ء

ماہنامہ "شام و سحر" سترہ برس سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے۔ اس دوران اس رسالے نے نامساعد حالات میں علم و ادب کا چراغ روشن رکھا ہے۔ ہر حساس اور باشعور ذی وقار جانتا ہے کہ اس عہد ناپرساں میں ادبی رسالہ نکالنا کسی جہاد سے کم نہیں ہے تاہم ماہنامہ "شام و سحر" کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے نہایت ثابت قدمی اور شان و شکوہ کے ساتھ یہ ادبی جہاد ہے۔ ہماری ممکنہ کوشش رہی ہے کہ ہم ادبی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اور ذاتی منفعت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قارئین کی ذہنی و فکری تربیت کریں اور ان میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کریں۔ اس کوشش میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔

نئے سال کا سورج طلوع ہو چکا ہے اور ماہنامہ شام و سحر کا اٹھارہواں برس شروع ہو رہا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم اس برس جدید افکار و نظریات کی روشنی پھیلائیں، لہٰذا ہماری کوشش ہو گی کہ ہم نئے لکھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرائیں۔ اس سلسلے میں ہم آپ سے تعاون کے طلب گار ہیں۔ ہم دعا گو ہیں، یہ نیا سال آپ کے لئے بے شمار خوشیاں لائے۔

O———O———O

فروری ۱۹۹۲ء

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح تعلیم کا شعبہ بھی روبہ زوال ہے۔ طالبعلم

، علم کا طالب نہیں رہا اور استاد سوائے پڑھانے کے ہر کام کے لئے تیار ہے۔ اس ناگفتہ بہ صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ علم، متعلم اور معلم کا مثلث ٹوٹ گیا ہے۔ اب استاد محض درسی کتابیں پڑھانے اور نصاب ختم کرانے پر توجہ دیتا ہے اور طالب علم اس سطحی علم کے حصول کے لئے بھی آمادہ نہیں ہے۔ اساتذہ اپنا بیشتر وقت گروہی سیاست اور جلب منفعت میں گزارتے ہیں اور اس طرح طلبہ کے کردار کی تعمیر رک گئی ہے۔ ان عوامل کی وجہ سے عصر حاضر میں اساتذ کا مقام نہایت پست ہو گیا ہے۔ ان حالات میں اگر اساتذہ اپنا وقار بحال کرانا چاہتے ہیں تو انھیں ذاتی نفع نقصان کے متعلق سوچنے کی بجائے قوم کی بہتری اور بھلائی کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اگر اساتذہ نے اپنی کم فہمی کے باعث کسی "جوہر قابل" کو مٹی میں ملا دیا تو آنے والا وقت ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

○—————○—————○

۴ مارچ ۱۹۹۲ء

تحقیق دراصل جستجو کے ارتقائی عمل کا نام ہے۔ عصر حاضر کے محققین تحقیق کو بازیچہ اطفال تصور کرتے ہوئے بعض سطحی حقائق کو سمیٹ کر پیش کر دیتے ہیں۔ یہ صورت حال اس وقت مزید خراب ہو جاتی ہے، جب محققین اس عمل سے گزرنا بھی اپنے لئے سوہان روح تصور کرتے ہیں اور ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ دوسروں کے دستیاب مواد کو ہی کافی سمجھیں اور سابقہ نتائج پر ہی اپنی تحقیق کی عمارت کھڑی کر لیں۔ اس سارے عمل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ نوجوان تخلیق کاروں میں تحقیق سے دلچسپی ختم ہو گئی ہے اور وہ محض "درسی تحقیق" ہی پر اکتفا کرنے لگے ہیں...... عصر حاضر کے معتبر محققین کو اس نازک صورت حال کا احساس کرنا چاہئے اور اپنی تحقیقی صلاحیتوں سے نوجوان قلم کاروں کو بھی بہرہ ور کرنا چاہئے۔

○—————○—————○

اپریل ۱۹۹۲ء (صبا اکبر آبادی نمبر)

عصر حاضر میں جو اصحاب زندگی بھر علم و ادب کی خدمت میں معروف رہے' ان میں صبا اکبر آبادی کا نام سر فہرست ہے۔ آپ پاک و ہند کے مسلم الثبوت شاعر اور استاد فن تھے۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنے فن کا لوہا منوایا' تاہم بحیثیت غزل گو ان کی شہرت دائمی رہے گی۔ آپ ایک نیک سیرت اور پاک باطن انسان تھے اور ان کی شاعری میں اسی سیرت کے جوہر بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں...... آپ کی موت پاکستان اور ہندوستان کے ادبی حلقوں میں جس طرح محسوس کی گئی ہے' اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس عہد ناپرساں میں بھی قدر شناسوں کی کمی نہیں ہے۔ کاش ہم ان کی زندگی میں بھی اسی طرح علم و ادب شناسی کا مظاہرہ کر سکتے۔

"شام و سحر" کا یہ شمارہ اردو کے اس عظیم محسن کی خدمات کے اعتراف میں شائع کر رہے ہیں..... ہم حکومت پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ مرحوم کے صاحبزدگان ان کے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں جو کام کر رہے ہیں' وہ بھی ان کی مدد کرے تاکہ "باقیات صبا اکبر آبادی" کے نام سے ان کا غیر مطبوعہ کلام زیور طبع سے آراستہ ہو جائے

مئی ۱۹۹۲ء

اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے بین الاقوامی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں' اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر ہونے والے مشاعروں اور کانفرنسوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے تاہم یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ان کانفرنسوں اور مشاعروں سے علم و ادب کا فروغ کم اور مخصوص افراد و نظریات کی تشہیر زیادہ ہوتی ہے۔ ان کانفرنسوں اور مشاعروں میں حقیقی شعراء اور ناقدین کو نظر انداز کر کے صرف ان

لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے جو اپنی مہمان نوازی کے لیے مشہور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ "من ترحاجی بگویم تو مرا ملا بگو" کے مصداق ایک دوسرے کو کانفرنسوں میں دعوت دی جاتی ہے۔ اس صورت حال نے ان عالمی کانفرنسوں اور اس کا اہتمام کرنے والے اداروں کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔ اگر یہ ادارے صحیح معنوں میں اردو زبان و ادب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ حقیقی معنی میں اردو زبان کے محسنوں کی پذیرائی کریں' تاکہ ایسی کانفرنسوں کا مثبت نتیجہ بھی برآمد ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ علم و ادب کے نام پر ہونے والے اس استحصال کو روکنے کی کوشش کرے۔

جون ۱۹۹۲ء

ایک زمانہ تھا کہ جب علم و ادب کی قدر عجز و انکسار سے کی جاتی تھی اور اہل دانش کی قدر افزائی کو ادب و علم کی خدمت کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اس خوشگوار صورت حال میں باصلاحیت ادیب و شاعر نہایت سکون سے اپنے تخلیقی جوہر کا اظہار کرتے تھے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روایت سازی ان کا اولین فریضہ ہوا کرتا تھا۔ عصر حاضر میں شعراء و ادبا کی قدر افزائی تو درکنار شعر و ادب کی حالت ہی انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ علم و ادب کے قدر دانوں کی کمی ہوتی جا رہی ہے اور جو تھوڑے بہت علم شناس و ادب نواز باقی رہ گئے ہیں وہ تخلیق کاروں کی باہمی چپقلشوں اور باہمی گروہ بندیوں کی وجہ سے دل گرفتہ ہو چکے ہیں۔ اب عالم یہ ہے کہ ٹریفک حادثے میں ہلاک ہو جانے والے کے اہل خانہ کی کفالت کا اہتمام تو ہو جاتا ہے' لیکن علم کی شمع پر نچھاور ہو جانے والے پروانوں کے اہل خانہ کی کفالت کا کوئی انتظام نہیں ہوتا ہے۔ اس افسوس ناک صورت حال سے نبٹنے کے لئے شاعروں اور ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ ملکی سطح پر کوئی "ادبی فاؤنڈیشن" قائم کریں' تاکہ حقیقی معنوں میں ضرورت مند ادیبوں کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔ اور ان کی رحلت

کے بعد ان کے ورثا کی کفالت کا موثر انتظام بھی ممکن ہو سکے۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے قائم شدہ "علمی و ادبی فاؤنڈیشن" کی سرپرستی کرے، تاکہ علم و ادب کی پذیرائی کا دعویٰ محض ڈھونگ نہ ثابت ہو۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۲ء (محرم نمبر)

کربلا کے بنجر اور غیر تخلیقی صحرا میں حضرت امام حسینؑ نے اپنے لہو کی دھار سے حق و باطل کے مابین ایک ایسی حد فاصل کھینچ دی ہے، جس نے زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ واقعہ کربلا سے درس لیتے ہوئے ہر عہد کے تخلیق کار نے ظلم و تمرد اور استحصال کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ یہ واقعہ آج ظالموں کے خلاف مظلوموں کو صف آراء ہونے کا عزم و حوصلہ بخشتا ہے۔ اس واقعہ نے ادیب کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی متاثر کیا ہے اور اس واقعہ کے طفیل اردو میں مرثیہ، سلام اور نوحے جیسے اصناف معرض وجود میں آگئے ہیں۔ اگر عصر حاضر کا ادیب نظر حقیقت سے دیکھے تو حق و باطل میں آج بھی معرکہ آرائی جاری ہے۔ ہر ادیب کا فرض ہے کہ وہ اس معرکہ میں سیرت حسینؑ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حق و انصاف کا ساتھ دے۔ اگر ادیبوں نے اس سلسلے میں لیت و لعل سے کام لیا تو تاریخ انھیں یزیدوں کی صف میں شامل کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ آیئے حسینؑ کی صدائے **ھل من ناصر ینصرنا** پر لبیک کہتے ہوئے ہم وقت کے سفاک یزیدوں کے مقابلے میں صداقت کا علم اٹھائے ہوئے اس حسینی قافلے میں شامل ہو جائیں۔

O———O———O

اگست ۱۹۹۲ء

پاکستان میں علم و ادب کی ابتر صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے عصر حاضر کے

نوجوان کسی بھی صورت میں میدان تحقیق و تنقید کی شہسواری پسند نہیں کرتے۔ اب ہر طالب علم "افسر" بننے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے۔ اس صورت حال کا منفی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ تحقیق و تنقید کے معتبر نام چشم زمانہ سے آہستہ آہستہ اوجھل ہوتے جا رہے ہیں اور نئے نام دور دور تک نظر نہیں آ رہے ہیں۔ تعلیمی درسگاہوں میں ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر جو تنقید ہو رہی ہے اس کا معیار چشم معنی آشنا پر ظاہر ہے' تاہم یہ بات قابل تعریف ہے کہ طلبہ اپنی سطح پر کچھ نہ کچھ جستجو ضرور کر رہے ہیں۔ یہ تحقیقی مقالات منصۂ شہود پر آنے کے بعد یونیورسٹی کی ارباب اختیار کی نذر ہو جاتے ہیں۔ عام قارئین تک ان مقالات کا تحقیقی مواد تو پہنچنا دور کی بات ہے' معتبر قارئین تک ان کے عنوانات کی خبر بھی نہیں پہنچتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بنجر معاشرے میں: جہاں تحقیق و تنقید سے لوگ گریزاں ہوں' ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے' جو اس میدان میں طبع آزمائی کر رہے ہیں..... لہٰذا ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد محقق طلبہ و طالبات کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ان کے مقالات کی اشاعت کا اہتمام کریں۔ اگر ہماری اس تجویز پر کان نہ دھرا گیا تو وہ وقت دور نہیں' جب تحقیق و تنقید کا میدان سنسان ہو جائے گا اور معاشرے پر جہالت کی حکمرانی ہو گی۔

o———o———o

ستمبر ۱۹۹۲ء

ایک عربی مقولہ ہے کہ عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے۔ یہ مقولہ ہمیں اس لئے یاد آ رہا ہے کہ ماہ اگست میں اردو شعر و تنقید کے دو ممتاز عالم اور دانشور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اور پروفیسر ممتاز حسین اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ ان دونوں معروف تخلیق کاروں کے مقام و مرتبے کا تعین تو معتبر ناقدین ہی کر سکتے ہیں' لیکن ان مرحومین کی رحلت سے دو نظریہ ساز اصحاب کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ انتہائی ملال انگیز بات یہ ہے کہ اپنے

صادق نظریوں پر زندگی بھر عمل پیرا ہونے والے لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی مرحوم خصوصاً اور پروفیسر ممتاز حسین مرحوم عموماً ماہنامہ "شام و سحر" کی ترتیب، تدوین اور تسوید کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے ہیں۔ آپ دونوں کی بیش قیمت تحریریں ماہنامہ "شام و سحر" کی زینت بن کر باذوق قارئین سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں۔ یہ دونوں حضرات اگرچہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، تاہم ہم ان کے افکار عالیات سے بیش از بیش فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور علم و ادب کے شائقین کو ان کی جلائی ہوئی فکری شمع کی روشنی سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

O———O———O

اکتوبر ۱۹۹۲ء (سیف زلفی نمبر)

اردو شاعری میں آتش کی شعری آواز سب سے زیادہ تیز اور کاٹ دار ہے، یہی سبب ہے کہ جو شعراء آتش سے متاثر رہے ہیں، ان کے شعری افکار میں بھی ایک تندی اور کسی قدر ترشی ملتی ہے۔ یاس یگانہ چنگیزی آتش کے پرستار رہے ہیں تاہم انہوں نے آتش کی انانیت اور غالب کی فکر کی آمیزش سے اپنی شاعری کا خمیر تیار کیا ہے۔ یاس کے شعری افکار و اسالیب کے دو معتبر نمائندے شکیب جلالی اور سیف زلفی ہیں۔ سیف زلفی کا اختصاصی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے آتش کی انانیت اور غالب کے تفکر میں اپنے عصری مسائل اور زمین کی خوشبو کو بھی شامل کر لیا ہے اور اس طرح ان کی شاعرانہ آواز اپنے عہد میں سب سے منفرد معلوم ہوتی ہے۔

سیف زلفی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر عمر بھر شعر و ادب کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ تاہم ان کے مزاج کا جوہر

نظموں اور غزلوں میں گھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان کے منظوم ڈرامے اور ملی نغمے بھی ارباب دانش سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی جدید نعتیں اور مرثیے اردو شاعری میں بیش بہا اضافے کا موجب ہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ زندگی بھر سیف زلفی کی پذیرائی ان کے مقام و مرتبے کے مطابق نہیں ہوئی۔ "شام و سحر" کا یہ "سیف زلفی نمبر" اسی نقصان کی تلافی کر رہا ہے تاکہ آنے والا زمانہ ہماری علمی و ادبی دیانت پر شک نہ کرے۔

نومبر ۱۹۹۲ء

ادیب اور قاری کے رشتے کو مضبوط بنانے میں رسائل وسیلے کا کام کرتے ہیں۔ ہر معتبر رسالے کا اولین فریضہ یہ کہ وہ قارئین کی آراء کو وقتاً فوقتاً ادیبوں تک پہنچائے۔ ماہنامہ "شام و سحر" کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے قارئین کی آراء کو ہمیشہ اولیت دیتے ہوئے' ان کی مثبت تجاویز کی روشنی میں رسالے کو صوری اور معنوی طور پر بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری یہ بھی کوشش رہی ہے کہ غیر جانبدار طریقے سے ادب کی خدمت کرتے ہوئے کسی بھی قسم کے گروہ سے اپنا رشتہ استوار نہ کریں' تاہم یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ بعض ادیب ذاتی نمود و نمائش یا بعض ادیبوں کی تحقیر کے لئے وقتاً فوقتاً گمنام خطوط بھجواتے رہتے ہیں اگر ان خطوط پر ارسال کنندہ کا نام در مکمل پتہ درج ہو تو ہمیں ان خطوط کو چھاپنے میں بھی کوئی پس و پیش نہیں ہے۔ لیکن یہ غیر اخلاقی اور غیر سنجیدہ حرکت کسی طرح بھی صحت مند ادبی رویوں کے فروغ کا باعث نہیں بن سکتی۔ ہم صحت مندانہ اختلاف رائے کو نہ صرف پسند کرتے ہیں' بلکہ اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے' اس کی روشنی میں اصلاح احوال کے لئے کوشاں بھی رہتے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ معترضین و نکتہ چین آئندہ گمنام خطوط کا سلسلہ بند کر کے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کریں گے اور ادب کی خدمت میں ہماری معاونت کریں گے۔

دسمبر ۱۹۹۲ء

عصر حاضر میں زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی ایک جمود کی کیفیت طاری ہے۔ معاشرتی اور سیاسی شکست و ریخت کے اثرات ادب پر بھی مرتسم ہو رہے ہیں اور غالباً اسی زبوں حالی کی بنا پر ادیب' ادب اور قاری کا مثلث ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ ادیب قاری کے تقاضوں سے نا آشنا ہے اور قاری ادیب کے خیالات و نظریات سے بے خبر رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس دو رنگی نے ادب کو "چوں چوں کا مربہ" بنا دیا ہے۔ نظریہ سازی کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اور اب ہوا کے رخ پر چلنے والے باد نما ادیب نظریہ ساز شمار ہونے لگے ہیں ادیب ذاتی فوائد کے حصول کے لیے قلم کو بیچ چکے ہیں اور اسی بنا پر قاری کے سفر کا رخ ادبی رسائل سے جاسوسی ڈائجسٹوں کی طرف پھر گیا ہے۔ اس ناگفتہ بہ صورت حال میں قاری کا ادب سے رشتہ جوڑنے کے لئے ایک "ادبی لانگ مارچ" کی ضرورت ہے۔ ہم تمام معتبر ادیبوں اور شاعروں کو اس میں شمولیت کی پر خلوص دعوت دیتے ہیں۔

ظہیر کاشمیری

میرے خیال میں آج کل آپ شام و سحر ہی مرتب نہیں کر رہے بلکہ علمی و ادبی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔

ماہنامہ شام و سحر جولائی ۱۹۹۰ء

maablib.org

باتیں

۱۹۹۳ء

جنوری تا دسمبر ۹۳ء

maablib.org

ڈاکٹر سلیم اختر

ادبی جرائد کے شہر لاہور میں جن پرچوں نے سنجیدہ علمی مباحث اور غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے اپنے لئے اہم مقام بنالیا ہے ان میں سید شبیہ الحسن کا ماہنامہ شام و سحر بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر شبیہ الحسن نے شعوری طور پر یہ کوششیں کی ہے کہ اس رسالے کو گروپ بندی روہی تعصبات اور ذاتی جھگڑوں سے دور بلکہ محفوظ رکھا جائے اور اس کوشش میں وہ مکمل طور پر کامیاب بلکہ کامران نظر آتے ہیں۔

ماہنامہ شام و سحر جنوری ۱۹۹۳ء

جنوری ۱۹۹۳ء (انتخاب نمبر)

ماہنامہ "شام و سحر" نے سحر و شام کے اٹھارہ برس گزار کر اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ اس ماہنامے کے ساتھ سفر شروع کرنے والے بے شمار ادبی ماہنامے رفتہ رفتہ زمانے کی بے حسی اور بے اعتنائی کا شکار ہو گئے۔ اس رسالے نے نامساعد حالات اور غیر ادبی ماحول میں بھی علم و ادب کے علم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اور تند و تیز ہواؤں کے سامنے شمع علم و ادب جلا کر ثابت کر دیا کہ خلوص نیت سے کئے جانے والے کام میں اللہ تعالیٰ برکت پیدا کر دیتا ہے۔

ہر باشعور اور حساس قاری جانتا ہے کہ عصر حاضر میں علمی و ادبی کام کرنا جی کا زیاں اور ادبی رسالہ نکالنا جہاد سے کم نہیں ہے۔ ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے ایک بنجر عہد میں رسالہ نکال کر ادبی معرکہ سر کیا ہے اور اس علمی و ادبی مباحث چھیڑ کر علم و ادب کے فروغ کے امکانات کو روشن کر دیا ہے۔

ہم نے گزشتہ برس (۱۹۹۲ء) گروہی سیاست اور ذاتی تشہیر سے بالاتر ہو کر اپنے رسالے کو متنوع تخلیق کاروں کے افکار و نظریات سے سجانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ قارئین کی دلچسپیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ماہنامہ "شام و سحر" کے داخلی اور خارجی محاسن پر بھرپور توجہ دی۔ ہم اپنے اس مشن میں کہاں تک کامیاب ہوئے' اس کا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔

نئے سال کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ اس برس ہماری ممکنہ کوشش ہو گی کہ ہم اپنے قارئین کو جدید رجحانات و میلانات سے روشناس کرائیں اور ملکی و بین الاقوامی ادبی

حالات اور واقعات سے انھیں باخبر رکھیں۔ ہماری دعا ہے کہ نیا سال آپ کے لئے ڈھیروں خوشیاں لائے۔

فروری ۱۹۹۳ء

عصر حاضر میں کتاب کی رونمائی کی تقریب "فیشن" بن گئی ہے۔ کتاب کا تخلیق کار اسے شہرت کا ذریعہ گردانتا ہے۔ جبکہ پبلشر کے خیال میں یہ کام سودمند ہوتا ہے۔ شرکاء ذاتی مراسم کی وجہ سے ان تقاریب میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے دوستوں کو بھی ان میں شرکت کی ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔ اس طرح رنگارنگ پروگرام مرتب ہو جاتا ہے۔ اب اس میں ضرورت ہوتی ہے ایسے ناقدین کی جو اپنی چرب زبانی اور لچھے دار باتوں سے بیک وقت تخلیق کار کو خوش اور سامعین کو مطمئن کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں ایسے نقادوں کی کمی نہیں، جو اس کام میں ضرورت سے زیادہ "مہارت" رکھتے ہیں۔ وہ ہر تقریب میں شریک ہوتے ہیں اور ذرا سے الٹ پھیر کے ساتھ وہی باتیں دہرا دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل انتہائی افسوسناک بلکہ قابل مذمت ہے۔ ہمارے معتبر ناقدین کو چاہئے کہ وہ ذاتی مفادات بالائے طاق رکھتے ہوئے اس طرح کی تقاریب میں شرکت سے اجتناب کریں اور حق گوئی کو شعار بنائیں۔ اگر انھوں نے اپنا طرز عمل تبدیل نہ کیا تو بہت جلد قارئین کا ان کی تحریروں سے اعتبار اٹھ جائے گا اور یہ ناقدین ہی اس "ادبی زوال" کے ذمہ دار ہوں گے۔

مارچ ۱۹۹۳ء

پاکستان میں علم و ادب کی ابتر صورت حال چشم معنی آشنا سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہیں۔ یہ کتابیں نہ تو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتی ہیں اور نہ ان میں تحقیقی معیار کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ جس کتاب کو اٹھائیے وہ فکری وفنی اغلاط سے پر ہوتی ہے۔ کتاب کے مرتبین ذاتی پسند و ناپسند کو معیار بنا کر غیر معیاری تخلیقات نصابی کتب میں شامل کر دیتے ہیں۔ ان ناقص اور کم تر معیار کی تخلیقات پڑھ کر جیسی قوم تشکیل پا رہی ہے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ ارباب اختیار کو چاہئے کہ وہ تعلیمی نصاب مرتب کرتے ہوئے رواداری سے کام لینے کے بجائے منصوبہ بندی سے یہ کام کروائیں اور اس کی اشاعت کا خاطر خواہ انتظام کریں۔ اگر حکومت اور بورڈ کے ارباب بست و کشاد نے اس سلسلے میں خاطر خواہ اقدام نہ کئے تو ہمارا تعلیمی نظام مزید برباد ہو جائے گا اور ہم کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔

O———————O———————O

اپریل ۱۹۹۳ء

معاشرے کی بے یقینی کیفیت کا اظہار دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی جاری و ساری ہے۔ سیاسی "ایڈہاک ازم" کے اثرات ادب میں بھی جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ ہر ادیب محض ادبی نام کو نبھانے کی غرض سے ادب تخلیق کر رہا ہے۔ وہ حال کے ابھرتے ہوئے مسائل کو اپنی تخلیق میں تو جگہ دے رہا ہے' لیکن اسے مستقبل قریب یا مستقبل بعید کی کوئی فکر نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اب ادب ایک "فیشن" بن گیا ہے اور تخلیق کار اسے اپنی شہرت و مقبولیت کا وسیلہ بنائے ہوئے ہیں۔ انھیں اس بات کی قطعا کوئی فکر نہیں ہے کہ آنے والا زمانہ کیسا ہو گا اور انھیں اس کے لئے کس قسم کا ادب تخلیق کرنا چاہئے؟ اس صورت حال میں سنجیدہ فکر اور بالغ شعور ناقدین کو چاہئے کہ وہ اس "ادبی ایڈہاک ازم" کو ختم کرنے کی صدق دل سے کوشش کریں اور مستقل بنیادوں پر ادب کی تخلیق کا اہتمام کریں۔ اچھا ادب ماضی' حال اور مستقبل کا امین ہوتا ہے اور اگر اس میں سے کسی ایک

زمانے کو منہا کر دیا جائے تو اس کی قدر و قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ادبی "ایڈہاک ازم" ختم کر کے مستقل بنیادوں پر ادب کی تخلیق جاری رہے گی' جو معاشرتی قدروں کی ترویج کے لئے سود مند ثابت ہو گی۔

مئی ۱۹۹۳ء

عصر حاضر کی سیاسی شکست و ریخت نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ عدم اطمینان' عدم اعتماد اور بے یقینی کی کیفیت نے افراد کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ اس صورت حال نے ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کئے ہیں' قارئین اخبارات کی سنسنی خیز خبروں کی طرح ادبی رسائل سے بھی اس چیز کی توقع کرنے لگے ہیں' یہی سبب ہے کہ وہ رسائل جو ہیجان خیز مواد پیش کرتے ہیں' قارئین کی نگاہوں کا مرکز بن گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ اچھا ادب تخلیق کرنے والے رسائل گوشہ گمنامی میں چلے گئے ہیں۔ اس صورت حال میں معتبر ادیبوں کا فرض یہ ہے کہ وہ ہوا کے رخ کے ساتھ بدلنے کے بجائے اپنے افکار کے ذریعے تیقن کی فضا پیدا کریں تاکہ معاشرے سے عدم استحکام کی فضا ختم ہو سکے۔ اس نازک صورت حال میں قارئین کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ معتبر مواد ہی سے اپنے ذہن کی آبیاری کو شعار بنائیں اور تخلیق کاروں کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقات میں معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ بنیادی مسائل حیات کو بھی پیش نگاہ رکھیں۔ دور حاضر میں اس عمل کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ قارئین اور تخلیق کاروں میں دم توڑتے ہوئے رشتے کو مستحکم کیا جا سکے۔ اگر قارئین اور تخلیق کار اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برانہ ہوئے تو آنے والا دور انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

جون ۱۹۹۳ء (ڈاکٹر آغا سہیل نمبر)

اس دنیا میں ان لوگوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے' جو خود بھی منزل آشنا ہوں اور دوسروں کو بھی منزل مقصود تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ڈاکٹر آغا سہیل ان کامیاب ترین انسانوں میں سے ایک ہیں' جنہوں نے اپنی پوری زندگی ایک واضح نظریئے کے ساتھ بسر کی اور بے شمار لوگوں کو منزل آشنا کیا۔ آغا سہیل ایک مشہور افسانہ نگار' معروف ناول نگار' مقبول سفرنامہ نگار' کامیاب معلم اور معتبر نقاد ہی نہیں بلکہ ایک علم دوست اور شریف النفس انسان بھی ہیں۔ ماہنامہ "شام و سحر" کا یہ نمبر آغا سہیل کی شاندار علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ نمبر شاید آغا سہیل کی قد آور علمی شخصیت اور ان کے ادبی مقام کا حقیقی معنوں میں احاطہ تو نہ کر سکے' لیکن ان کی علم دوستی اور ادب پروری کے حوالے سے ایک چھوٹا سا نذرانہ ضرور ہے۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۳ء (محرم نمبر)

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے محرم کے مہینے میں ریگزار کربلا پر اپنے خون سے دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے جو عبارت تحریر کی تھی' وہ کل کی طرح آج بھی روشن اور تابناک ہے۔ کربلا کا واقعہ محض ایک سانحے کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوا' بلکہ اس کے ذریعے حق و باطل کے درمیان ایک فصیل کھنچ گئی ہے۔ اب حسین و یزید فقط دو افراد کے نام ہی نہیں رہے' بلکہ یہ دو قوتوں اور دو علامتوں کے نام بن گئے ہیں۔ امام حسین حق و صداقت' جرات مندی' ایثار و قربانی اور روشنی و تابندگی کی علامت بن گئے ہیں اور یزید ظلم و شقاوت' جبر و بربریت اور سفاکی و تاریکی کی علامت بن گیا ہے۔ کربلا کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے کہ اب ہمارے سامنے دو راستے واضح

ہو گئے ہیں۔ ایک راستہ یزید کی طرف جاتا ہے اور دوسرا حضرت امام حسین علیہ السلام کی سمت۔ محرم کا مہینہ ہمارے واضح فیصلے کا مہینہ ہے۔ عصر حاضر میں بھی ہمیں جس یزیدیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں حسینی فکر و عمل کی ضرورت ہے۔

آیئے مل جل کر عہد کریں کہ سید الشہداء نے کربلا کے میدان میں اپنے خون سے جو شمع روشن کی تھی ہم اسے کسی بھی صورت نہیں بجھنے دیں گے۔

O————O————O

اگست ۱۹۹۳ء

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی معاشرہ تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے تو وہاں کے رہنے والوں کی ذہنی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے' لوگ بحرانی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور غیبی امداد کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ معاشرے کے دیگر شعبوں کی طرح ادب پر بھی اس بحرانی دور کا اثر پڑتا ہے اور اس عہد میں تخلیق ہونے والا ادب زیادہ دور رس اثرات مرتب نہیں کر پاتا۔ پاکستان ایک عرصے تک جس بحرانی صورت حال میں مبتلا رہا ہے' وہ کسی صاحب شعور سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس دوران میں ادبی ترقی کی رفتار انتہائی سست ہو گئی تھی اور نعرہ بازی کا ادب منظر عام پر آنے لگا تھا۔ یہ بات انتہائی مسرت انگیز ہے کہ وہ بحرانی کیفیت کسی حد تک ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا اب ہمارے تخلیق کاروں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو سنبھالیں اور ایسا ادب تخلیق کریں' جو معاشرتی ترقی کے لئے سود مند ہو اور عوام کو اس بحران سے نکالنے میں مدد دے۔

O————O————O

ستمبر ۱۹۹۳ء

یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ قارئین عصر حاضر کے ہر ادیب سے تو یہ توقع

دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی ذہنی بصیرت و بصارت کا سامان مہیا کرے، لیکن وہ تخلیق کار کے لئے کسی بھی قسم کی سہولت فراہم کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتشار کے دور میں جب ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے، صرف تخلیق کار ہی سے معاشرتی فلاح کی توقع کیوں روا رکھی جاتی ہے، معاشرہ تخلیق کار کی پذیرائی سے گریزاں ہے۔ تخلیق کار کب تک ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ بے شمار تخلیق کار غم دوراں کا شکار ہو کر اپنے تخلیقی جوہر نہ دکھا سکے اور آج بھی بے شمار نابغۂ روزگار شخصیات معاشی الجھنوں کا شکار ہو کر اپنے ادبی سفر کو پس پشت ڈال چکی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس گھمبیر سوال کا جواب ہم سب کو مل جل کر دینا ہے۔ اگر ہم نے اس مسئلے کے حل میں کوتاہی کی تو بے شمار جوہر قابل مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔

o———o———o

اکتوبر ۱۹۹۳ء

عصر حاضر کی ہوشربا گرانی نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ اب ہر شخص دولت کی تلاش میں سرگرداں ہے اور حصول زر کے لئے جو حتمی ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں وہ قابل مذمت ہیں۔ اس مہنگائی نے جرائد کی زندگی کو لحہ بہ لحہ موت کے قریب کر دیا ہے۔ خاص طور پر ادبی رسائل کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے، ہر قاری اعزازی رسالے کا خواہش مند ہے اور حکومت ان رسالوں سے سوتیلی ماں جیسا سلوک کرتی ہے۔ مواد کے حصول سے لے کر رسالے کی ترسیل تک زر کثیر صرف ہو جاتا ہے، مگر اس کا کچھ بھی اجر نہیں ملتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر رسالے کے دردمند اور وسیع القلب مالکان کب تک یہ اصراف برداشت کرتے رہیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر قارئین اور حکومت نے توجہ نہ کی تو دم توڑتے یہ رسالے مر جائیں گے اور سب کف افسوس ہی ملتے رہ جائیں گے۔

o———o———o

نومبر ۱۹۹۳ء

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادبی رسائل کے معیار و وقار میں بھی

روز بروز زوال آتا جا رہا ہے۔ اس زوال کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ یہ ایک گھمبیر سوال ہے' جس کا جواب ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زوال کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔ تخلیق کار خون جگر سے لکھنے کے عادی نہیں رہے۔ لہٰذا مسلسل ایسی تخلیقات منظر عام پر آ رہی ہیں' جو کسی بھی طرح عالمی ادب کے معیار پر پورا نہیں اترتی ہیں۔ قارئین مخرب اخلاق' ڈائجسٹوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ کوئی اعلیٰ ترین ادبی تخلیق بھی ان کو ترفع نہیں بخشتی۔ جرائد کے مالکان مہنگائی اور گرانی سے اتنے عاجز آ چکے ہیں کہ وہ رسائل کو چھاپ کر زیاں کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس ناگفتہ بہ صورت حال میں تخلیق کاروں' قارئین اور رسائل کے مالکان کو عزم و حوصلہ برقرار رکھتے ہوئے اپنی اپنی سطح پر علمی اور عملی جدوجہد جاری رکھنا چاہئے' کیونکہ روشنی کی کرن ہمیشہ اندھیرے ہی سے پھوٹتی ہے۔

O———O———O

دسمبر ۱۹۹۳ء

ہم ایک ایسے نازک دور سے گزر رہے ہیں جہاں ہم تو شاید سب کو پہچانتے ہوں' لیکن ہمیں کوئی نہیں پہچانتا اس صورت حال کی اصل وجہ غالباً یہ ہے کہ ہم اپنی "شناخت" کھو بیٹھے ہیں۔ شناخت کا کھو جانا ایک المیہ ہی نہیں لمحہ فکریہ بھی ہے۔ ہمیں کشادہ قلبی سے سوچنا چاہئے کہ یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی اور اس کا تدارک کس طرح ممکن ہے؟ ہم روز و شب اپنی شناخت کرانے میں تو مصروف رہتے ہیں' مگر اس رمز سے بے خبر ہیں کہ ذاتی تشہیر خود ستائشی اور نمود و نمائش سے کھوئی ہوئی شناخت بحال نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے مسلسل محنت اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم نے اب بھی محنت سے جی چرایا اور عصر حاضر کے حالات اور واقعات سے چشم پوشی کر لی تو یاد رکھئے کہ آنے والا وقت لوح محفوظ سے ہمارا نام حرف غلط کی طرح مٹا دے گا۔

O———O———O

باتیں

۱۹۹۴ء

جنوری تا دسمبر ۹۴ء

ڈاکٹر سہیل احمد خان

ہاتھیوں اور گینڈوں کی طاقت تسلیم مگر ہرن اور بارہ سنگے بھی ضروری ہیں۔ ضخیم رسائل کا رعب داب اپنی جگہ مگر ایسے پرچوں کی بھی ضرورت ہے جو باقاعدگی سے شائع ہوں معروف ادیبوں سے بھی رابطہ رکھیں اور نئے لوگوں کو بھی سامنے لائیں۔ ادب کا دھارا ایک ہی سطح پر نہیں بہتا۔ ہر سطح پر اس کے بہاؤ کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ شام و سحر اپنے دائرے میں خوب فعال ہے۔ پچھلے چند برسوں میں مدیر ڈاکٹر شبیہ الحسن کی محنت نے اس کے انداز مین جو تبدیلی پیدا کی ہے اس کی وجہ سے اب ادبی اور تعلیمی حلقوں میں اس کی تحریروں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ ہر شمارے میں بعض ایسی تحریریں ہوتی ہیں جو اختصار کے باوجود بہت اہمیت رکھتی ہیں اور نئی توقعات کو پیدا کرتی ہیں۔

ماہنامہ شام و سحر جنوری ۱۹۹۴ء

جنوری ۱۹۹۴ء (انتخاب نمبر)

ماہنامہ "شام و سحر" نے اٹھارہ برس مکمل کر لئے ہیں اور انیسویں برس کا سفر نئے عزم و حوصلے سے شروع کیا جا رہا ہے۔ آپ دعا فرمایئے کہ علم و ادب کا سفر جاری و ساری رہے اور یہ علمی و ادبی جریدہ ہر ماہ آپ کے دلوں پر دستک دیتا رہے۔

"شام و سحر" کم صفحات کا حامل ادبی ماہنامہ ضرور ہے' لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے یہ ضخیم رسائل کے ہم پلہ ہے۔ اس جریدے کو کسی قسم کی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ اسے نہ تو اشتہارات ملتے ہیں، اور نہ ہی رعایتی نرخوں پر کاغذ میسر ہے۔ اس بے سرو سامانی کے عالم میں بھی ہم یہ رسالہ مسلسل نکال کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جہاد میں کامیابی وسائل سے نہیں' ثابت قدمی سے حاصل ہوتی ہے۔

نیا سال (۱۹۹۴ء) طلوع ہو رہا ہے۔ یہ سال اپنے ساتھ نئی امنگیں اور تازہ آرزوئیں لا رہا ہے۔ ہمیں امید کرتے ہیں کہ قارئین نئے برس کا بھرپور طریقے سے استقبال کرتے ہوئے عہد کریں گے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں ملک و قوم کے بہترین مفاد میں صرف کریں گے اور جلب منفعت اور دفع مضرت سے ماوراء ہو کر اپنی تخلیقات کو ماضی' حال اور مستقبل کا آئینہ بنائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس برس سینکڑوں خوشیاں عطا فرمائے۔

فروری ۱۹۹۴ء

تخلیق کاروں کی باہمی آویزش نے معاشرے میں ادیب کے مقام کو انتہائی پست کردیا ہے۔ معمولی سی رنجش کو بنیاد بنا کر یہ ادیب ایک دوسرے کے خلاف طنز و تعریض کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ کالموں کے پیٹ نفرت آمیز مواد سے بھر دیئے جاتے ہیں اور ذاتی مخاصمت کو قومی اور نظریاتی لڑائی بنا کر پیش کیا جاتا ہے' تاہم جب کچھ عرصہ کے بعد فریقین کے مفادات مشترک ہو جاتے ہیں تو یہ "جنگ" ختم ہو جاتی ہے اور دونوں کی مشترکہ صدا "نوائے وقت" کے طور پر ابھرنے لگتی ہے۔ اس صورت حال سے قارئین دل گرفتہ ہو کر ادیبوں سے زیادہ ادب سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس سنگین صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم تخلیق کاروں سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے فرائض منصبی ادا کریں۔ اگر ادب ذاتی جھگڑوں کا آرگن بن گیا تو وہ وقت دور نہیں' جب قارئین ادیبوں سے بیزار ہو کر ان کی تخلیقات سے بھی منہ موڑ لیں گے اور جب بانس ہی نہیں ہو گا تو بانسری کیسے بجے گی؟

مارچ ۱۹۹۴ء

ادبی رسائل کی ترتیب و اشاعت جان جوکھوں کا کام ہے۔ مواد کے حصول سے لے کر قارئین تک رسالے کی ترسیل جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ حکومت ادبی رسالوں کو خاطر میں نہیں لاتی اور حکومت کی منظور نظر تشہیری کمپنیاں صرف ان رسالوں کو اشتہارات سے نوازتی ہیں' جو محض حکومتی پالیسیاں اجاگر کریں اور حکومت کے ہر جائز و ناجائز کام کو صحیفہ آسمانی کے مطابق ثابت کر دیں۔ اس طریقہ کار سے چند سیاسی رسالے تو شاید اشتہارات سے فائدہ اٹھالیں' ورنہ کوئی علمی و ادبی جریدہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتا

ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ باقاعدگی سے چھپنے والے ادبی رسائل پڑھنے والوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ اگر ایڈورٹائزنگ ایجنسیاں ایسے علمی اور ادبی رسالوں کی پذیرائی کریں اور ان میں اپنے اشتہارات چھپوائیں تو وہ دو سطحوں پر مفید کام کر سکتی ہیں۔ پہلی سطح پر تو وہ اپنی مصنوعات کی شہرت کے لئے راہ ہموار کر سکتی ہیں اور دوسری سطح پر وہ معاشرے میں علم و ادب کے فروغ کے لئے کئے جانے والے جہاد میں ہمارا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ مستحکم مالی ادارے اور تشہیری ایجنسیاں ہماری اس درخواست کو پذیرائی بخشیں گی۔

o———o———o

اپریل ۱۹۹۴ء

کسی بھی مہذب معاشرے میں "بزرگوں" کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے ماضی کے وقیع تجربوں کی روشنی میں نوجوانوں کو فردا کی تابناک شاہراہ کامیابی پر گامزن کرنے کا فریضہ ادا کرتے ہیں' تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ عصر حاضر کی فتنہ انگیزیوں نے ہمارے بعض بزرگوں کو "صراط مستقیم" سے ہٹا دیا ہے۔ وہ اپنے اس عظیم فریضہ سے غافل ہو کر خود ستائشی کے طالب ہو گئے ہیں اور اپنے سوا کسی کی قدر و منزلت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ معاصرانہ چشمکوں کا شکار یہ بزرگ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے نوجوانوں کو بھی آلہ کار بنا لیتے ہیں اور ان کی باہمی آویزش کا زہر نوجوان نسل میں بھی منتقل ہو رہا ہے۔ یہ صورتحال مزید تشویش ناک اس لئے بھی ہوتی جا رہی ہے کہ ہمارے بعض بزرگ تخلیق کار اپنی رائے اور ذاتی نقطہ نظر کو حرف معتبر سمجھتے ہوئے اس کی فوری اشاعت پر اصرار کرتے ہیں۔ جب ان کی "رائے" کا شکار ہونے والے

دوسرے تخلیق کاروں کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے اسے چھاپنے میں پس و پیش کیا جائے تو وہ مدیر کو قابل گردن زدنی قرار دے دیتے ہیں۔ یہ رویہ انتہائی افسوسناک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مدیر ہر ایک کی رائے کو بعینہٖ شائع کر دے تو بہت سے لوگوں کی عزت نفس مجروح ہو جائے اور خود معترضین کے بارے میں بھی ایسا مواد منظر عام پر آ جائے جو ان کی دل شکنی کا موجب بنے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ ادیب اپنا تخلیقی فرض ادا کرتے ہوئے دوسروں کی خوبیوں اور اپنی خامیوں پر نظر رکھیں گے۔

○———○———○

مئی ۱۹۹۴ء

کسی بھی معاشرے میں فرد کی حیثیت اساسی ہے۔ فرد کے ذہنی رجحانات و میلانات کی تشکیل میں معاشرہ نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ اگر معاشرہ مثبت رویے تخلیق کرے تو فرد کی قوت متخیلہ کی پرواز درست سمت اختیار کر لیتی ہے۔ جب کہ منفی معاشری رویے تخلیق کار کے ذہنی ہیجان کا سبب بنتے ہیں' مہذب معاشرے میں تخلیق کاروں کی عزت محض اس بنا پر ہوتی ہے کہ وہ معیوب اخلاق رویوں کی بیخ کنی کر کے معاشرے کو راہ راست پر لے آتے ہیں۔ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ عصر حاضر میں پاکستانی ادیب اپنے فرائض سے غافل ہو کر مالی منفعت کے حصول میں تمام اخلاقی و ادبی روایات کو پامال کر رہے ہیں۔ اگر یہ صورت حال کچھ عرصہ مزید جاری رہی تو معاشرے سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا خاتمہ ہو جائے گا اور ادب اپنی افادیت کھو بیٹھے گا۔

○———○———○

جون ۱۹۹۴ء (محرم نمبر)

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں اللہ کی راہ میں جو بیش بہا قربانیاں پیش کی ہیں۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی سبق آموز ہیں۔ واقعہ کربلا سے پہلا سبق تو یہ ملتا ہے کہ مخلوق اور خالق کے درمیان ایک ایسا قوی رشتہ ہے جو تمام دنیاوی معاملات سے ماورا ہوتا ہے۔ خالص بندوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے خالق کی رضا میں اپنی مرضی شامل کر کے رضائے الٰہی کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ واقعہ کربلا کا انتہائی اہم سبق یہ ہے کہ مسلمان مذہبی تعصبات اور فرقہ واریت کی بیخ کنی کرتے ہوئے اپنے اندر یگانگت اور یک جہتی کی فضا پیدا کریں۔ محرم الحرام کے تقدس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلم کو اخوت اور بھائی چارے کے فروغ کے لئے استعمال کریں۔ اگر ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے طرز فکر کو اپنانے سے اسی طرح گریزاں رہے تو آنے والا دور ہمارے لئے انتہائی کٹھن ثابت ہوگا۔ آیئے عہد کریں کہ ہم حسینی فکر اپناتے ہوئے یزیدی اور استعماری قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۴ء

دانشوروں کا کہنا ہے کہ جب کوئی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے تو انسان اپنے اندر سمٹ جاتا ہے۔ معاشرتی مسائل ذاتی مسائل تک محدود ہو جاتے ہیں اور انسان کا بنیادی مرکز اس کی اپنی ذات ہو جاتی ہے۔ اس صورتحال میں تنگی' خودپسندی اور ذاتی تشہیر

مقصد حیات بن جاتی ہے اور انسان عمر بھر انہی چیزوں کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ بھی طرح طرح کے تضادات کا شکار ہے۔ ہمارا قول' فعل کا اور عمل زبان کا ساتھ نہیں دیتا۔ منافقت کا سائبان سب کے سروں پہ سایہ فگن ہے۔ ہم ایک عجیب سی "ہو گو" کی کیفیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ ہماری کوئی منزل ہے اور نہ مقصد حیات۔ اس ناگفتہ بہ صورت حال کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ یہ ایک ایسا گھمبیر سوال ہے جس کا جواب دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ایک باشعور اور حساس فرد کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس منجدھار سے معاشرے کی ناؤ کو ساحل تک پہنچانے کا فریضہ ادا کریں۔ اگر ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح خاموش تماشائی بنے رہے تو آنے والا وقت ہمیں ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ آیئے! عہد کریں کہ ہم ذاتی معاملات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ملکی اور قومی مفادات کا خیال رکھیں گے اور معاشرتی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہیں گے۔

○——————○——————○

اگست ۱۹۹۴ء

عصر حاضر میں طرح طرح کے مسائل نے انسان کی زندگی اجیرن کر دی ہے' ایک مسئلہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرے کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے مسئلہ کے حل میں دوسرا دلچسپی لے۔ اس صورت حال میں لوگ ادیبوں اور شاعروں کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح حالات کی تلخی کو شیریں بنانے میں ان کی معاونت کرتے ہیں۔ ادب بلاشبہ معاشرے کا آرگن ہوتا ہے۔ ادیبوں کو چاہئے کہ وہ شعوری سطح پر عوام کے مسائل کو سمجھیں اور ان کے حل کے لئے مثبت تجاویز پیش کریں۔ یہ امر انتہائی

افسوسناک ہے کہ عہد حاضر کے تخلیق کار تخیلاتی اور سطحی موضوعات کو اہمیت دیتے ہیں اور عوامی مسائل و معاملات سے چشم پوشی کرلیتے ہیں۔ اس صورتحال میں لوگ ادب اور ادیبوں دونوں سے بدظن ہوتے جارہے ہیں اور ادب زمینی کے بجائے آسمانی مسائل سے اپنا ناتہ جوڑتا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال کی نزاکت کا احساس کریں اور ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں اپنا فعال کردار ادا کریں۔

O——————O——————O

ستمبر ۱۹۹۴ء

عصر حاضر میں کتابیں چھپوانے کا شوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ شعراء اور ادباء نام بدل بدل کے اپنی پرانی کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کر رہے ہیں۔ یہ طرز عمل اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ایسے تخلیق کار مزید کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتے' یا ان کی سوچ کا دائرہ محدود ہوگیا ہے۔ یہ عیب ہی کیا کم تھا کہ ہمارے تخلیق کاروں کو اپنی زندگی ہی میں کلیات چھپوانے کا "جنون" پیدا ہوگیا ہے۔ ایک زمانے میں رحلت کے بعد کلیات کی اشاعت اس لئے قابل تحسین سمجھی جاتی تھی کہ اس طرح تخلیق کار کا مکمل تخلیقی سرمایہ قاری کے سامنے آجاتا تھا اور وہ اس کے حسن و قبح کا جائزہ لے کر تخلیق کار کے بارے میں حتمی رائے قائم کرلیتا تھا۔ زندگی میں کلیات کی اشاعت نے قاری کو الجھن میں ڈال دیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ شاید اس کلیات کے خالق کا تخلیقی سفر ختم ہوگیا ہے۔ تخلیق کاروں سے التماس ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا فاتحہ خود ہی نہ پڑھیں' دوسروں کو بھی اس کا موقع فراہم کریں۔

O——————O——————O

اکتوبر ۱۹۹۴ء

مشہور انگریزی نقاد ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے لکھا ہے کہ تنقید کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ گمنامی کی گرد میں اٹے ہوئے تخلیق کاروں کی بازیافت کرتی ہے اور عصر حاضر میں ان کے مقام اور مرتبے کا تعین کر کے انہیں ایک "نئی حیات" عطا کرتی ہے۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ موجودہ دور کے ناقدین کمزور اور کم تر موضوعات پر تو قلم اٹھاتے ہیں اور اپنے تخیل کی جولانیاں ان پر قربان کر دیتے ہیں تاہم وہ عہد قدیم کے ان تخلیق کاروں کا کھوج لگانے کی ذرہ برابر بھی سعی نہیں کرتے' جو امتداد زمانہ سے قارئین کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ آپ عصر حاضر کے ناقدین کی تخلیقات کا بنظر غائر مطالعہ فرما لیجئے' آپ خود محسوس کریں گے کہ بیشتر ناقدین نے دوسروں کے چراغ سے اپنے فکری چراغ روشن کئے ہیں۔ ناقدین ادب سے ہماری التماس ہے کہ وہ اپنے مقام و منصب کو پہنچائیں اور غیر جانبداری کے ساتھ تخلیق کاروں کو ان کا جائز مقام عطا کریں۔ اگر ناقدین نے یہ مخلصانہ روش اختیار نہ کی تو آنے والا وقت انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

نومبر ۱۹۹۴ء

اسلام آباد میں ادیبوں کی منعقدہ حالیہ کانفرنس نے پاکستانی ادیبوں کو "گروہ در گروہ" تقسیم کر دیا ہے۔ ادیبوں کے ایک معتبر گروہ نے "لذت کام و دہن" کی دعوت کے باوجود اس کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ ان ادیبوں کا موقف یہ تھا کہ یہ ادبی کانفرنس نہیں بلکہ "میلہ ٹھیلہ" ہے لہٰذا یہاں زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا۔ جو ادیب اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ان کے بیان کردہ حالات و واقعات سن کر افسوس کے سوا کچھ نہیں ہوا' بلکہ بعض باتیں تحریر کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ اسی طرح

اس کانفرنس کے انعقاد پر جو بیش بہا اخراجات ہوئے ہیں' ان کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ اس کانفرنس کے ذریعہ حکومت نے ادیبوں کی بہتری کے لئے کیا قدم اٹھایا ہے؟ ارباب اختیار سے گزارش ہے کہ وہ قومی ادبی کانفرنس منعقد کرتے ہوئے سینئر ادیبوں اور دانشوروں کے مشوروں سے کوئی حتمی پروگرام وضع کرے تاکہ اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں۔ موجودہ طرز عمل سے ادیبوں کے شکم پر اور ذہن خالی ہوتے جا رہے ہیں۔

دسمبر ۱۹۹۴ء

O————O————O

کسی بھی باشعور معاشرے میں ادیب' ادب اور قاری کی تکون بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس تکون میں قاری کی حیثیت اس اعتبار سے کلیدی ہو جاتی ہے کہ اس کے تقاضوں سے ادب اور ادیب اپنا اپنا رخ تبدیل کر لیتے ہیں۔ اگر ادب کے قارئین باذوق ہوں تو معاشرے میں مثبت طرز فکر کا حامل ادب تخلیق پاتا ہے' جب کہ بدذوق قارئین کی طلب کے نتیجے میں مخرب اخلاق ادب کی تخلیق کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں باشعور ادبی قارئین کا فرض ہے کہ وہ ادب اور ادیب دونوں پر اپنی نگاہ رکھیں تاکہ وہ شاہراہ حقیقت سے بھٹکنے نہ پائیں۔

O————O————O

پروفیسر عبدالکریم خالد

باتیں شام و سحر کے اداریے کا مستقل عنوان ہے۔ جسے شام و سحر کے مدیر اعزازی ڈاکٹر شبیہ الحسن تحریر کرتے ہیں۔ شام و سحر ۱۹۹۷ء کے اداریے حسب روایت بہت مختصر لکھے گئے ہیں۔ مدیر کا کمال یہ ہے کہ وہ دس پندرہ سطروں میں اہم ادبی مسائل و معاملات کو اس خوبی سے سمیٹتے ہیں کہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور ایک گہرا اثر بھی قائم ہوتا ہے۔ سال گزشتہ کے اداریوں میں مدیر نے ناقص نصابی کتابوں کی اشاعت قومی زبان کی اہمیت تخلیق کاروں کا مقام زرد صحافت پبلشروں کا رویہ ترجمے کا فن اور اس کے تقاضے پچاس سالہ اردو ادب ادبی صحافیوں کی ذمہ داری بزرگ ادیبوں کی پذیرائی اور قوم کی ترقی میں نوجوانوں کا کردار جیسے اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور اس حوالے سے ارباب حکومت اور اہل دانش کے دلوں پر دستک دی۔ ایک ادبی رسالے کے مدیر کی دستکوں کی آواز سے کوئی در کھلا ہو یا نہیں البتہ ساکن پانی میں ارتعاش ضرور پیدا ہوا۔ ادبی مسائل کھل کر قارئین کے سامنے آئے اور انہیں اس بات سے آگاہی حاصل ہوئی کہ ادب کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے اور کیا کچھ نہیں ہو رہا۔

ماہنامہ شام و سحر جنوری ۱۹۹۸ء

باتیں

۱۹۹۵ء

جنوری تا دسمبر ۹۵ء

ڈاکٹر خیال امروہوی

آپ کا اداریہ کوزے میں سمندر کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعی ادیبوں اور شاعروں میں ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا گیا ہے جو لسانی علاقائی دھڑے بندی کا مظہر ہے بلکہ قومی خزانے کو بنام علم و ادب مل کر لوٹنے میں مصروف ہے۔ آپ کے اس اداریے سے وزیراعظم کو باخبر کرنا چاہئے۔ ہر چند اندھیر نگری میں یہی کچھ ہوتا بھی ہے لیکن اس کی کوئی حد بھی ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں شام و سحر کو باقاعدہ تحریک کے طور پر آواز اٹھانی چاہئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

ماہنامہ شام و سحر اکتوبر ۱۹۹۵ء

جنوری ۱۹۹۵ء (افتتاحیہ نمبر)

ماہنامہ "شام و سحر" نے سحر و شام کے انیس برس مکمل کر لئے ہیں اور بیسویں برس کا سفر نئے عزم و حوصلے سے شروع کیا جا رہا ہے۔ آپ دعا فرمایئے کہ علم و ادب کا سفر جاری و ساری رہے اور یہ علمی و ادبی جریدہ ہر ماہ آپ کے دلوں پر دستک دیتا رہے۔

"شام و سحر" کم صفحات کا حامل ادبی ماہنامہ ضرور ہے' لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے یہ ضخیم رسائل کے ہم پلہ ہے۔ اس جریدے کو کسی قسم کی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ اسے نہ تو اشتہارات ملتے ہیں اور نہ ہی رعایتی نرخوں پر کاغذ میسر ہے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی ہم یہ رسالہ مسلسل نکال کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جہاد میں کامیابی وسائل سے نہیں ثابت قدمی سے حاصل ہوتی ہے۔

نیا سال (۱۹۹۵ء) طلوع ہو رہا ہے۔ یہ سال اپنے ساتھ نئی امنگیں اور تازہ آرزوئیں لا رہا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین نئے برس کا بھرپور طریقے سے استقبال کرتے ہوئے عہد کریں گے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں ملک و قوم کے بہترین مفاد میں صرف کریں گے اور جلب منفعت اور دفع مضرت سے ماوراء ہو کر اپنی تخلیقات کو ماضی' حال اور مستقبل کا آئینہ بنائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس برس سینکڑوں خوشیاں عطا فرمائے۔

فروری ۱۹۹۵ء

پاکستانی تخلیق کاروں کو دو گروہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروہ ان تخلیق کاروں پر مشتمل ہے جو علم و ادب کی ترویج پر کمر بستہ ہیں اور صبح و مسا "افادی ادب" کی

تشکیل و فروغ کے لئے اپنے ممکنہ وسائل بروئے کار لائے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں عصری حسیت، دور اندیشی اور دانش و بینش کے رنگ و آہنگ تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو خود ساختہ دانشور کہلاتے ہیں۔ انہوں نے علم و ادب کی جعلی قبا اوڑھ رکھی ہے اور وہ سگریٹ کے دھوئیں میں زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ یہ اپنے مفادات کے دائرے میں قید ہوتے ہیں اور "مفادی ادب" تخلیق کرنے میں انہیں عبور حاصل ہوتا ہے۔ یہ عمر بھر حصول زر کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور اپنے ایک ایک حرف کی قیمت بار بار وصول کرنے کے فن میں ماہر ہیں۔ ثانی الذکر گروہ کے طرز عمل سے ادیبوں کے ساتھ ساتھ ادب کی بھی تحقیر ہو رہی ہے۔ یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ آنے والا وقت انہیں کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرے گا اور وہ زمانے کی گرد میں غائب ہو جائیں گے۔

○———○———○

مارچ ۱۹۹۵ء

تخلیق ایک دشوار ترین عمل ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کا اولین فرض ہے کہ وہ تخلیق کار کو پر سکون ماحول مہیا کرے تاکہ وہ معاشرے میں تخلیقی رویوں کی آبیاری کے لئے اپنے ممکنہ وسائل استعمال کرے۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ عصر حاضر میں تخلیق کاروں کو وہ بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں ہیں، جو کسی "مہذب معاشرے" سے توقع کی جاسکتی ہیں۔ معاشرے کی بے یقینی، منافقت اور عدم اطمینان نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تخلیق کار معاشرے کے "تاجرانہ رویوں" کا شکار ہو گیا ہے اور سود و زیاں اس کی زندگی کا محور بن گیا ہے۔ اگر لوگ چاہتے ہیں کہ تخلیق کار جلب منفعت اور دفع مضرت سے ماورا ہو کر ادب تخلیق کریں تو اس کے

لئے ضروری ہے کہ انہیں "شفاف ماحول" بھی مہیا کیا جائے۔ اگر لوگوں نے اپنا طرز عمل نہ بدلا تو تخلیق کار بھی "بنجر ادب" تخلیق کرتے رہیں گے۔ پائیدار تخلیقی رویوں کی آبیاری کے لئے تخلیق کاروں کو ان کا جائز مقام دینا بے حد ضروری ہے۔

o———o———o

اپریل ۱۹۹۵ء

ادیبوں کا استحصال کرنے والوں میں حکومت اور قارئین کے ساتھ پبلشر بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس مثلث نے معتبر تخلیق کاروں کی زندگی اجیرن کر دی ہے اور خود ساختہ تخلیق کار جملہ آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پبلشر ایسی تخلیقات شائع کرنے کے متمنی ہوتے ہیں جن کی "بازاری قیمت" زیادہ ہو تاکہ وہ مہنگے داموں فروخت ہو سکیں۔ معتبر تخلیق کاروں کی تخلیقات اول تو شائع ہی نہیں کی جاتیں اور اگر یہ نوبت آبھی جائے تو اس کا "معاوضہ" بھی تخلیق کار کو پیش نہیں کیا جاتا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پبلشر تو نگر اور تخلیق کار عسرت کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت کوئی معیاری اشاعتی ادارہ قائم کرے، جس کے تحت معیاری، علمی و ادبی اور تحقیقی تخلیقات زیور طبع سے آراستہ ہوں۔ اس کے علاوہ حکومت تخلیق کاروں کو کتابیں شائع کرنے کے لئے "عبوری مالی امداد" بھی فراہم کرے تاکہ وہ پبلشروں کے استحصال سے بچ سکیں۔ اگر حکومت نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہ کیا تو قارئین کا رخ ایک مرتبہ پھر مخرب اخلاق ڈائجسٹوں کی جانب پھر جائے گا۔

o———o———o

مئی ۱۹۹۵ء

عصر حاضر میں تخلیق کاروں پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کا ذہنی افق انتہائی محدود ہو گیا ہے اور اسی بناء پر ان کی تحریریں یکسانیت کا شکار ہو چکی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادب میں یہ صورت حال کب اور کیوں پیدا ہوئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بعض تخلیق کار کسی "مخصوص" نظریئے کے پابند ہوتے ہیں اور اسی بناء پر وہ اپنے نظریئے کے پرچار کے لئے مخصوص بات کو گھما پھرا کر پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اسی طرح ان کی تحریریں یکسانیت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بعض تخلیق کاروں کی ذہنی سطح انتہائی پست ہوتی ہے' وہ اپنی تحریروں کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اس میں کسی تبدیلی کو گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض تخلیق کار اتباع و پیروی کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور کسی دوسرے کی بات ذرا سی تبدیلی کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں بات دہرانے اور تکرار کا احساس اجاگر ہو جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تخلیق کار اپنی صلاحیتوں کو عصر حاضر کے جدید علوم سے صیقل کریں اور قارئین کی خدمت میں ایسا مواد پیش کریں' جو ان کی علمی صلاحیت اور استعداد کا منہ بولتا ثبوت بن جائے۔

o———o———o

جون ۱۹۹۵ء (محرم نمبر)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ریگ زار کربلا پر اپنے مقدس لہو سے جو کلمہ الحق تحریر کیا تھا اس کی روشنی سے پوری کائنات آج بھی جگمگا رہی ہے۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے جام شہادت نوش کر کے آنے والی نسلوں کو یہ سرمدی پیغام دیا کہ باطل و تمرد کے سامنے سر جھکانے والا حق کا پرستار نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

انسانیت کی بقاء اور دین کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے لوح بقاء پر اپنا نام جلی حروف میں رقم کرالیا ہے۔ جو لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پرستار ہونے کا دعوی کرتے ہیں' انہیں چاہئے کہ وہ حق و باطل کی آویزش میں حق کا ساتھ دیں اور تحفظ دین کے لئے اپنے جزوی اختلافات بھلا کر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ اگر ہم نے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ نہ کیا تو اسلام دشمن قوتیں ہمارا شیرازہ بکھیر دیں گی۔ ہمارے نزدیک کربلا کے شہیدوں کو یاد کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم سیرت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنا کر خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کا مصمم ارادہ کرلیں' کیوں کہ زندہ رہنے کے لئے مرنا پڑتا ہے۔

O———O———O

جولائی ۱۹۹۵ء

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ادیب عالمگیر تصور انسانیت کا علمبردار ہوتا ہے۔ ادیب کے تعصبات کا اپنا ایک دائرہ ہوتا ہے جس میں نفرت کے بجائے رواداری اور محبت کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں گزشتہ چند برس سے مذہبی منافرت کی جو لہر نمودار ہوئی ہے' اس نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کو متاثر کیا ہے وہاں ہمارا ادیب بھی اس کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ ادیبوں کی فکری و نظری گروہ بندیاں تو پہلے ہی قائم تھیں اور یہ کسی حد تک صحت مندی کی علامت قرار دی جاسکتی ہیں' لیکن ایک خطرناک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اب ادیب مذہبی گروہ بندیوں کا بھی شکار ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں ادیب اپنے تصور انسانیت سے کٹ کر مذہبی تعصبات کے فروغ میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ادیب کا علمی وقار کم ہو جائے گا اور وہ انسانیت کی خدمت سے دور ہو کر منافرت کی دلدل میں پھنس جائے گا۔

O———O———O

اگست ۱۹۹۵ء

ہمارے معاشرے میں ادیبوں کا استحصال کرنے والوں کی ایک فوج ظفر موج معروف کار ہے۔ مختلف گروہ ادیبوں کے لئے ناسازگار اور ناساعد حالات پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں' تاہم یہ امر انتہائی تشویش ناک ہے کہ ادیبوں اور دانشوروں کا ایک خود ساختہ گروہ بھی ادیبوں کے استحصال کے لئے کوشاں ہے۔ یہ گروہ ذاتی مفادات کے حصول میں اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ اب وہ ادیب سے زیادہ "ادب دشمنی" کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔ ادیبوں کا یہ گروہ کبھی لسانی حوالے سے ادب میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی فرقہ بندی کو فروغ دے کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی گروہ نے دانش و پاکیزگی کی ایک جعلی نقاب اپنے چہرے پر سجا رکھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دردمند دل رکھنے والے ادیب و دانشور ادب دشمن گروہ کے چہروں پر پڑی ہوئی نقاب الٹا کر ان کا حقیقی روپ قارئین کے سامنے لائیں' تاکہ انھیں حقیقت حال کا احساس ہو' نیز ادیبوں کو چاہئے کہ وہ اس گروہ کے مذموم مقاصد کا آلہ کار نہ بنیں بلکہ اس کی بیخ کنی کے لئے اپنے تمام تر ممکنہ وسائل بروئے کار لائیں۔

ستمبر ۱۹۹۵ء

عصر حاضر میں منافقانہ رویوں نے زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ایک جانب تو منافقت خوشامدانہ رویوں کو عام کرتی ہے اور دوسری جانب یہ حق پرستی کے رستے میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ ادب میں منافقت کے اثرات بیک وقت ناقد' تخلیق کار اور قاری پر مرتسم ہو رہے ہیں۔ ان ناساعد حالات میں تخلیق کار کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ جلب منفعت اور مصلحت کوشی کی راہ چھوڑ کر سچائی کے

جادے پر، ثابت قدمی پر رواں دواں رہے اور حقائق کی نقاب کشائی میں کسی قسم کی رعایت نہ کرے۔ اگر اب بھی ادب میں بڑھتے ہوئے منافقانہ رویوں کی بیخ کنی نہ کی گئی تو آنے والے دور میں ہر چیز دھندلی ہو جائے گی۔ ادبی انحطاط کو پر خلوص طریقے سے حل کرنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی منافقت سے اپنا دامن بچا کر چلیں۔

اکتوبر ۱۹۹۵ء

عصر حاضر میں معاسرے کے ہر شعبے میں بے راہ روی پائی جاتی ہے۔ کوئی بھی اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا۔ اس صورت حال میں ذات کی تشفی تو ہو رہی ہے، لیکن معاشرہ برباد ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ رجحان ادب میں بھی فروغ پاتا جا رہا ہے۔ ادیب اور شاعر سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر تحریر حرف آخر ہے۔ لٰہذا کسی کو اس پر انگشت نمائی کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں تنقید کا معیار گر کر تنقیص یا تحسین میں تبدیل ہو گیا ہے۔ تخلیق کار اپنی تخلیقات کو جانچ پرکھ کے بعد پیش نہیں کرتے، لٰہذا ان میں ایک آنچ کی کسر رہ جاتی ہے۔ اگر کوئی معتبر نقاد ان کی تخلیق کے اس نقص کی طرف اشارہ بھی کر دے تو وہ مارنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ طرز عمل کسی بھی طرح مستحسن نہیں ہے۔ تخلیق کار کو چاہئے کہ وہ اعلٰی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے محاسن کے ساتھ ساتھ عیوب کو بھی سننے کا حوصلہ پیدا کرے۔ وہ اپنے اندر یہ احساس اجاگر کرے کہ وہ قاری اور نقاد دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ اگر تخلیق کار نے کشادہ قلبی کا مظاہرہ نہیں کیا تو قاری ادب سے ناتہ توڑ لے گا اور ناقد خموشی کو شعار بنانے میں عافیت محسوس کرے گا اور ان دونوں کا نقصان بہرحال تخلیق کار کو ہوگا۔

نومبر ۱۹۹۵ء

عالمی سطح پر ادب کی افادیت کے بعد اب ادیبوں کی پذیرائی کا رجحان بھی پیدا ہو رہا ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ "اکادمی ادبیات پاکستان" نے ادیبوں کی ایک ٹیم

الاقوامی کانفرنس منعقد کرانے کا اعلان کیا ہے اور اس سلسلے میں زور و شور سے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس کانفرنس کو کامیاب کرانا ہر باشعور تخلیق کار کا اولین فریضہ ہے۔ تاہم اکادمی ادبیات پاکستان کے ارباب اختیار کو بھی چاہئیے کہ وہ اپنی گزشتہ خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تقریب کا لائحہ عمل مرتب کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تقریب میں صرف ان تخلیق کاروں کو مدعو کیا جائے' جو تخلیقی تعلق میں شعروادب میں نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل ہیں اور جن کی پوری زندگی ادب کی خدمت کرتے گزری ہے۔ اسی طرح پاکستان سے بھی اس کانفرنس کے لئے صرف اور صرف انہی ادباء و شعرا کو منتخب کرنا چاہئیے' جو زندگی بھر شعروادب کی ترویج و اشاعت پر کمربستہ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس کو بامقصد بنانے کے لئے اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر بات گفتن' نشستن اور برخاستن تک محدود رہی تو اس کانفرنس کا بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا اور منتظمین کو رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ملے گا۔

دسمبر ۱۹۹۵ء

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ہر عظیم تہذیب اپنے ثقافتی ورثہ کی بدولت زندہ رہتی ہے۔ جو قوم اپنے فنون لطیفہ کی ترویج کے لئے کوشاں رہتی ہے وہ درحقیقت اپنی روح عصر اپنے تخلیقی فن پاروں میں منتقل کر دیتی ہے۔ ہم وہ بدقسمت قوم ہیں کہ ہم فنون لطیفہ سے رفتہ رفتہ اپنا ناتہ توڑ چکے ہیں۔ تخلیقی کاوشیں ہمارے نزدیک اب محض وقت کا ضیاع ہیں۔ اس صورت حال میں ہم حصول زر کے لئے رات دن تگ و دو کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ منافقت کے اس دور میں ہم اپنی تخلیقی کاوشوں میں بھی منافقانہ طرز احساس سمو رہے ہیں' لیکن یہ بات ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئیے کہ آنے والا دور ہمارے چہروں پر پڑی ہوئی منافقت کی یہ نقاب اتار دے گا اور اس وقت سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ نہ رہ جائے گا۔ ادیبوں کو چاہئیے کہ وہ اپنی تخلیقات کو معاشرتی رجحانات کی علمبردار بنائیں تاکہ ان کی تخلیقات میں عصر حاضر کے زندہ رویوں کی گونج سنائی دے۔

باتیں

۱۹۹۶ء

جنوری تا دسمبر ۹۶ء

maablib.org

پروفیسر صابر لودھی

شام و سحر کا اداریہ مختصر مگر بامعنی ہے۔ ضیاء الحق کے دور سے سیاست اور صحافت کی رسوائی کا آغاز ہوا۔ اور ادیبوں کی بڑے کھانے نے جعل سازوں کو تخلیق کاروں کی صف میں لا کھڑا کیا صرف حکومت ہی نہیں مقتدر صحافیوں کا بھی فرض ہے کہ وہ حقیقی ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کریں۔ حق گوئی پر قصیدہ گوئی کو حاوی نہ ہونے دیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے اداریے کی تائید ڈاکٹر خیال امروہوی کی مناجات سے بھی ہوتی ہے۔

ماہنامہ شام و سحر اکتوبر ۱۹۹۶ء

جنوری ۱۹۹۶ء (انتخاب نمبر)

ماہنامہ "شام و سحر" نے گردش سحرو شام میں اپنے انیس برس مکمل کر لئے ہیں۔ بیسویں برس کا سفر نئے عزم اور حوصلے سے شروع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس رسالے کے لئے علمی تعاون فرماتے رہیں گے تاکہ یہ رسالہ علم و ادب کی روشنی بکھیرتا رہے۔

"ماہنامہ شام و سحر لاہور" ایک ادبی رسالہ ہے' جو ہر ماہ آپ کے علمی ذوق کو جلا بخشتا ہے۔ عصر حاضر کے منافقانہ ماحول میں کسی گروہ بندی کے بغیر رسالے کو جاری رکھنا ایک جہاد سے کم نہیں ہے۔ تاجرانہ معاشرے میں حکومتی عدم تعاون کے باوجود کسی رسالے کو مسلسل شائع کرنا گھاٹے کا سودا ہے' لیکن ہم یہ کار زیاں محض اس لئے کر رہے ہیں کہ آنے والا زمانہ ہمیں یکسر فراموش نہ کر دے۔

نیا سال (۱۹۹۶ء) نئی امنگیں اور آرزوئیں لیکر نمودار ہو رہا ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم اس سال اپنی گزشتہ خامیوں کو نہیں دہرائیں گے اور جلب منفعت اور دفع مضرت سے ماوراء ہو کر ایک مثبت رویئے کی تخلیق کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس برس سینکڑوں خوشیاں عطا فرمائے۔

فروری ۱۹۹۶ء

عصر حاضر کی دہشت گردی نے ایک جانب عوام کی زندگی غیر محفوظ کر دی ہے اور دوسری جانب حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ اب تو ادبی سطح پر بھی اس کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے کئی دانشور اور ادیب اس دہشت گردی اور بربریت کا شکار ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ حکومت کی چشم پوشی کی وجہ سے ہنوز جاری ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ادیب معاشرے کا بہترین نباض ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کی اعلیٰ

قدروں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تخلیقات میں پورے معاشرے کو محفوظ کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اگر معاشرے میں تخلیق کاروں نے اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنا شروع کر دیا تو نئے امکانات ختم ہو جائیں گے اور معاشرہ گمنامی کے اندھیروں میں غائب ہو جائے گا۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ادیبوں کے تحفظ کو یقینی بنائے تاکہ وہ پرسکون طریقے سے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکیں۔ ادبی تنظیموں کو ادیبوں کے تعزیتی ریفرنس منعقد کرانے کے علاوہ ان کی زندگی کے تحفظ کے لئے بھی ممکنہ اقدام بروئے کار لانا چاہئیں۔ اگر دہشت گردی کی یہی فضا برقرار رہی تو نہ ادیب رہیں گے اور نہ ادب' اور حکومت وقت کو اس کا خون بہا ادا کرنا ہو گا۔

O————O————O

مارچ ۱۹۹۶ء

عصر حاضر میں ہمارے مقاصد حیات انتہائی پست ہو گئے ہیں' اہداف کی کمتری نے ہماری زندگی کے اعمال کا رخ مادی ضرورتوں کی طرف پھیر دیا ہے۔ عام آدمی کی زندگی تو دور کی بات ہے' ایک باشعور انسان بھی گردش ایام کا شکار ہو گیا ہے۔ روز و شب کی محنت شاقہ نے ہر شخص کے ذہنی معیار کو متاثر کر دیا ہے اور اسی بناء پر معاشرے سے تخلیقی قوتوں کا بتدریج خاتمہ ہوتا چلا جا رہا ہے' شعراء نے اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے مشاعروں میں کلام سنانے کے لئے اپنا "ہدیہ" بڑھا دیا ہے۔ اس صورت حال کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عام آدمی کے لئے مشاعرے کا انعقاد ناممکن ہو گیا ہے۔ ادیبوں نے اپنی پرانی تخلیقات کو نئے ناموں سے شائع کر کے مالی منفعت کا ذریعہ تلاش کر لیا ہے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں کتاب کی قیمت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور کتابوں کی خریداری عام قارئین کے لئے ناممکن ہو گئی ہے۔ جس معاشرے میں "پڑھے لکھے" شاعر اور ادیب یہ طرز عمل اختیار کر لیں' وہاں کسی عام آدمی سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کو چاہئے کہ وہ اپنے طرز احساس میں تبدیلی لائیں اور معاشرتی ترقی کے لئے کار پیمبری ادا کریں۔

O————O————O

اپریل ۱۹۹۶ء

کسی بھی قوم کی شناخت اس کی تہذیب و ثقافت کی مرہون منت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنی ثقافت کے ذریعے زندہ رہتی ہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ پچاس برس گزر جانے کے باوجود بھی ہم اپنی ثقافت کے حتمی خدوخال متعین نہیں کر سکے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عصر حاضر میں ہمارے جس کلچر کو اجاگر کیا جا رہا ہے' وہ کسی طرح بھی ہماری روایت کا حصہ نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اعلیٰ ترین تہذیبی روایات کو سمجھیں اور اپنی زندگی کو اس نہج پر گزارنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم نے "مانگے تانگے" کے کلچر کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا تو آنے والا زمانہ ہمیں فراموش کر دے گا۔

مئی ۱۹۹۶ء

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت و افادیت سے کوئی ذی ہوش اور بالغ نظر انکار نہیں کر سکتا۔ یوں تو ابلاغ کے تمام ذرائع اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں تاہم موجودہ دور میں ٹیلی ویژن کو جو اہمیت حاصل ہے' اس سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ پاکستانی حکومتوں نے ہمیشہ ٹیلی ویژن کو ذاتی مفاد کے لئے استعمال کیا اور اسے حکومتی جاگیر بنائے رکھا۔ موجودہ عوامی حکومت نے اس ادارے کے تشخص کو بحال کرنے کے جو دعوے کئے تھے' وہ بھی اب دم توڑتے جا رہے ہیں۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کے ارباب اختیار نشریات کا دورانیہ تو بڑھاتے جا رہے ہیں' لیکن پروگراموں کے معیار کی جانب انکی مطلق توجہ نہیں ہے۔ خاص طور پر علم و ادب کے حوالے سے کوئی مثبت پروگرام پیش نہیں کیا جاتا اور نہ اس سلسلے میں کوئی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ مختلف علمی و ادبی تنظیمیں وقتاً فوقتاً اس حوالے سے احتجاج کر چکی ہیں' لیکن حکام بالا کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت معاشرے میں ادبی رویوں کو فروغ دینے کے لئے ان ذرائع ابلاغ پر علم و ادب کے لئے بھی کچھ وقت مخصوص

کرے' تاکہ ادیبوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور وہ معاشرتی ترقی میں اپنا فعال کردار ادا کریں۔

جون ۱۹۹۶ء (محرم نمبر)

کرب و بلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو بے مثال قربانی پیش کی وہ اپنے اندر ایک جہان معنی رکھتی ہے۔ اس بےمثال قربانی سے جہاں ایک طرف ظلم و تمرد کے خلاف صف آراء ہونے کا حوصلہ ملتا ہے' وہاں دوسری جانب زندگی بسر کرنے کے بہترین اصول بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی عملی جدوجہد کے ذریعے ایک نئی تہذیب روایت تخلیق کی اور ثابت کر دیا کہ اصولوں پر زندگی گزارنا ہی معراج حیات ہے۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے خوابیدہ مسلمانوں کے دلوں پر دستک دے کر یہ پیغام پہنچایا کہ زندہ رہنے کے لئے مرنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر ہم واقعتاً حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیروکار ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اندر حسینی استقلال پیدا کریں اور اپنے طرز عمل سے باہمی اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کر کے کار حسینی سرانجام دیں۔ کسی بھی معاشرے میں ادیب اپنی تخلیقات کے ذریعے عہد ساز رجحانات پیدا کرتے ہیں' اس لئے انہیں چاہئے کہ اپنے فرض منصبی کو پہچانتے ہوئے حسینی فکر کو اپنی تخلیقات کی بنیاد بنائیں اور اپنے قلم کو ظلم' آمریت' استبداد اور ہوس ملک گیری کے خلاف استعمال کرتے ہوئے پرچم حسینیت کو سربلند رکھیں۔ اگر ادیبوں نے اپنے آپ کو افکار حسینی کا ترجمان نہ بنایا تو آنے والا وقت یقیناً انہیں یزیدی فکر کا پیروکار تصور کریگا۔

جولائی ۱۹۹۶ء

ہر مہذب معاشرے میں حکومت عوام کی خدمت کو اپنا شعار بناتی ہے اور عوامی مسائل کو حل کرنے میں مستعد رہتی ہے۔ خصوصاً عوامی حکومت کو عوام سے اتنی دلچسپی ہوتی ہے کہ وہ اسکی خاطر بعض اوقات اقتدار چھوڑنے پر بھی آمادہ ہو جاتی ہے۔ موجودہ حکومت عوامی ہونے کی دعویدار تو ہے' لیکن یہ امر انتہائی تشویشناک ہے کہ اس

حکومت نے عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر کوئی ٹھوس کام نہیں کیا ہے۔ عوام مہنگائی کے بوجھ تلے پس رہے ہیں مگر ایوان اقتدار میں فروکش امراء لذت کام و دہن میں مصروف ہیں۔ موجودہ بجٹ نے تو عوام کا بھر کس ہی نکال دیا ہے۔ اس بجٹ میں انسانی خون اور وقار کے علاوہ ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اس ناگفتہ بہ صورت حال نے ادیبوں اور شاعروں کو بھی پریشان حال اور مضطرب کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بیشتر ادیبوں اور شاعروں نے حکومت کے خلاف "احتجاجی علم" بلند کر دیا ہے۔ کاغذ کی گرانی اور حکومت کی عدم توجہی کی بنا پر بے شمار علمی و ادبی رسالے بند ہو گئے ہیں اور بہت سے سسک رہے ہیں۔ خدا جانے حکومت اس صورت حال سے چشم پوشی کیوں کر رہی ہے؟؟؟ اگر حکومت کا یہی انداز جاری رہا تو وہ دن دور نہیں جب ان حکمرانوں کو کف افسوس ملنا پڑے گا اور باغ میں خزاں کے بجائے بہار کا موسم آچکا ہو گا۔

O———O———O

اگست ۱۹۹۶ء

ربیع الاول کا مہینہ ہمارے قلب و روح کی بالیدگی کا موجب ہے۔ اس مبارک مہینہ میں ایک ایسی عظیم ہستی کا ورود مسعود ہوا جس نے انسانی زندگی میں تہذیب و تمدن کو بعض نئے رخوں اور ذائقوں سے آشنا کرایا' اور اپنی سیرت اور طرز عمل سے راہ ہدایت عطا کی یہ عظیم المرتبت ہستی حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کی ہے' جنہیں عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ آپ نے انسانیت کا ایک وسیع دائرہ کھینچ کر دنیا کے ہر فرد کے لئے امن و محبت کا پیغام وضع کیا۔ اس کائنات میں آج کل متمدن معاشرے کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں وہ آپ ؐ کا صدقہ جاریہ ہے۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ ہم حب رسول ﷺ کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن سیرت رسول اپنانے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ اسوہ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم باہمی اختلافات بھلا کر وطن دوستی اور دین شناسی کے لئے جدوجہد کریں۔ اگر نیت نیک ہو تو ناممکن کو بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ آیئے آج اس

مبارک ماہ کے توسط سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس دنیا میں حق و انصاف کی سربلندی کے لئے کار پیمبری ادا کرنے کا عزم و حوصلہ بخشے۔ اگر ہم نے اب بھی اسوہ رسول ؐ اپنانے سے گریز کیا تو یاد رکھئے صفحہ ہستی سے ہمارا نام و نشان مٹ جائے گا۔

ستمبر ۱۹۹۶ء

عصر حاضر میں دو قسم کے تخلیق کار دکھائی دیتے ہیں۔ ایک جانب وہ تخلیق کار ہیں' جو اپنی ذہنی اور عملی توانائیوں کو فروغ ادب کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ حقیقت میں ان کا بنیادی مقصد گلشن شعر و ادب کی اپنے خون جگر سے آبیاری کرنا ہے۔ یہ لوگ ذاتی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر ادبی جہاد میں مصروف ہیں۔ انہیں دنیا کی خیرہ کر دینے والی چمک اور حکومت کی عشوہ طرازیاں بھی اپنے مقصد سے نہیں ہٹا سکتیں۔ یہ حق گو اور راست تحریر تخلیق کار سچائی کے جادے سے بال برابر بھی ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ دوسری جانب افراد ہیں' جنہوں نے ادیبوں کا خود ساختہ نقاب اوڑھ رکھا ہے۔ اور حکومت کے منظور نظر ہونے کی وجہ سے شاعروں اور ادیبوں کا بھرپور استحصال کر رہے ہیں۔ ان کی تخلیقات رنگ و بو سے عاری ہوتی ہیں' اور ان کا مقصد تخلیق محض لذت کام و دہن ہے۔ ضرور اس امر کی ہے کہ ہم تخلیق کاروں اور جعل سازوں میں فرق روا رکھیں۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے خود ساختہ ادیبوں سے اپنا ناتہ توڑے اور حقیقی ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرے۔ اگر حکومت نے یہ رویہ ترک نہ کیا تو آئندہ الاوقت ان جعلی ادیبوں کے ساتھ ساتھ ایسی حکومت کا بھی حساب بیباق کر دے گا۔

اکتوبر ۱۹۹۶ء

ادب زندگی کا آئینہ دار ہے۔ زندگی کے منفی اور مثبت تمام رویئے ادب میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ شاعر اور ادیب معاشرے سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں' انہیں اپنے ذہنی معیار کے سانچے میں ڈھال کر تخلیق کا جامہ پہناتے ہیں۔ اگر معاشرہ بے راہ رو ہو تو تخلیقات میں اس کی جھلک ضرور نمایاں ہوگی۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسے معاشرے

میں زندہ ہیں جہاں منفی رویوں کی آبیاری کے لئے وافر ذرائع موجود ہیں اور عوامی اور حکومتی دونوں سطحوں پر اس کی کما حقہ پذیرائی کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مثبت رویوں کے حامل افراد بتدریج مایوسی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور دیگر علمی و ادبی ادارے معاشرے میں تعمیری فضا کو سازگار بنانے کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں تاکہ ادب کے مثبت اور تخلیقی رویوں کے حامل ادباء و شعراء معاشرے کی مثبت قدروں کے تحفظ اور پاسداری کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو مخرب اخلاق شعر و ادب ہماری نسلوں کو برباد کر دے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

O———O———O

نومبر ۱۹۹۶ء

عصر حاضر میں یہ سوال ادبی حلقوں میں گردش کر رہا ہے کہ کیا معاشرے سے بیگانہ ہو کر عظیم ادب تخلیق ہو سکتا ہے؟ دانشوروں کا موقف یہ ہے کہ کوئی تخلیق کار معاشرے سے لاتعلق ہو کر عظیم ادب تخلیق نہیں کر سکتا۔ معاشرتی رویے کسی نہ کسی صورت میں تخلیق کاروں پر اپنے اثرات مرتب کرتے رہتے ہیں۔ اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اردو کے تخلیق کار اس سائنسی اور تکنیکی دور کا ساتھ دے سکتے ہیں؟

اردو کے تخلیق کاروں کا اختصاصی پہلو یہ رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ حالات پر گہری نگاہ رکھی ہے اور اپنی دانش و بینش سے حالات کے مطابق شعر و ادب کا رخ تبدیل کیا ہے۔ آج کا ابلاغی اور ہنگامی زمانہ انسان کو دانش سے علم اور علم سے معلومات کی دنیا میں لے آیا ہے۔ ہمارے تخلیق کار زمانے کی نزاکتوں کا بھرپور احساس رکھتے ہیں اور موجودہ دور کے شعر و ادب میں اس کی بھرپور عکاسی بھی دکھائی دیتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پائیدار قدروں کو فروغ دینے کی کوشش کریں اور معاشرے کی اصلاح کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اگر ہم نے محض آج کی ضرورتوں کو مدنظر رکھا تو آنے

والا کل ہماری تخلیقی صلاحیتوں کا معترف نہیں ہوگا اور ہم کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔

دسمبر ۱۹۹۶ء (حسن عابد نمبر)

اردو شعر و ادب میں جن تخلیق کاروں نے خاموشی سے ادب و شعر کے لئے اپنا خون جگر صرف کیا ہے ان میں حسن عابد کا نام انتہائی معتبر ہے۔ حسن عابد ایک وضعدار انسان ہیں اور عصر حاضر کی منافقانہ زندگی میں حق گوئی ان کا شعار ہے۔ درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہونے کی وجہ سے وہ ایک طویل عرصے سے علم و ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ ماہنامہ "شام و سحر" میں وقتاً۔ فوقتاً۔ حسن عابد کی غزلیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر ارباب دانش و بینش سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں "شام و سحر" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ادیبوں اور شاعروں کی قدر و منزلت کا احساس ان کی زندگی میں دلایا ہے اور ان کی شخصیت اور فن کے گرانقدر پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ "حسن .. نمبر" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آیئے اس شمارے کے ذریعے ہم ایک ایسے تخلیق کار سے ملتے ہیں' جو صاحب طرز شاعر' بہترین مدرس اور معتبر نثر نگار ہے۔

باتیں

۱۹۹۷ء

جنوری تا دسمبر ۹۷ء

جنوری ۱۹۹۷ء (اختتاجیہ نمبر)

ماہنامہ "شام و سحر" نے اپنی زندگی کے بیس برس مکمل کر لئے ہیں۔ آج آپ اکیسویں برس کے پہلے شمارے کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔ ان بیس برسوں کی غمناک اور دل گداز داستان آپ ماہ بہ ماہ سنتے رہے ہیں۔ اکیسویں برس کا سفر ایک نئے عزم اور حوصلہ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ ہمیں حکومت کی بے بسی' منافقانہ اور تاجرانہ معاشرے کی بے حسی اور اپنے محدود وسائل کا احساس ہے' تاہم ہماری اولین کوشش ہوگی کہ یہ رسالہ ہر ماہ آپ کے دلوں پر دستک دیتا رہے۔ نیا سال نئی آرزوئیں اور تمنائیں لے کر طلوع ہوتا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ سال آپ کے لئے بے شمار خوشیاں لائے اور آپ اس برس کسی غم سے آشنا نہ ہوں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس رسالے کو زیادہ سے زیادہ وقیع اور معتبر بنانے کے لئے ہم سے تعاون کرتے رہیں گے۔

فروری ۱۹۹۷ء

پاکستان میں عموماً۔ اور پنجاب میں خصوصاً۔ خود مختار اداروں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ بیشتر ادارے اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ تک نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان میں منصوبہ بندی کا فقدان نظر آتا ہے۔ کثیر عملہ رکھنے کے باوجود ان اداروں کا تحقیقی اور تنقیدی کام انتہائی ناقص بلکہ گھٹیا ہے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور ایک خود مختار ادارہ ہے اور یہ مرکزی حکومت کے اشتراک سے ایسی کتابیں طبع کرانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو طلبہ و طالبات میں دانش و بینش پیدا کریں' تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ یہاں کے ارباب بست و کشاد حتمی تحقیق و تدوین کے بغیر ایسی کتابیں زیور طبع سے آراستہ کرا دیتے ہیں جو طلبہ و طالبات کے ذہن کو کند اور ان کے اخلاق کو خراب کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹیکسٹ بک بورڈ کے "حکمران" اہل دانش اور ماہرین مضامین سے رابطہ نہیں کرتے اور "دستیاب ماہرین" سے کام چلا لیتے ہیں۔ اس طرح کتاب کا معیار بھی گر جاتا

ہے اور اس سے نصابی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو پاتیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے ارباب اپنی حقیقت کا عرفان کریں اور ہر کام کی منصوبہ بندی کر کے اسے مکمل کرنے کا مستحکم ارادہ کریں۔ اگر "کانا اور لے دوڑے" کا اصول ہی اپنایا جاتا رہا تو اس ادارے کا اعتبار جاتا رہے گا۔

مارچ ۱۹۹۷ء

ہر مہذب ملک میں قومی زبان کو وقار و تمکنت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ علاقائی زبانوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے تاہم قومی زبان وفاق کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کے مجموعی کلچر اور طرز ادا کا موثر اظہار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علاقائی زبانیں قومی زبان کے سائے میں پرورش پاتی ہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ ہم اپنی قومی زبان اردو کو اس کا جائز مقام دینے میں ناکام رہے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر اردو کی روز افزوں پذیرائی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے' اور غالب امکان ہے کہ اکیسویں صدی کے اوائل میں یہ دنیا کی دوسری بڑی زبان بن کر ابھرے گی۔ پاکستان میں علاقائی سیاست نے مرکزیت ختم کر دی ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس رویئے نے زبان پر بھی اپنے اثرات مرتسم کئے ہیں۔ اب تو اسمبلی کے ارکان بھی اردو میں حلف اٹھانے سے گریزاں ہیں۔ یہ طرز احساس اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اردو اب قومی زبان نہیں رہی اور علاقائی زبان کو اس پر تفوق حاصل ہو گیا ہے۔ ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اردو زبان کے فروغ و استحکام کے لئے اپنا فرض ادا کرے اور اپنے ہر عمل سے یہ بات ثابت کرے کہ وہ اردو اور پاکستان کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے۔

اپریل ۱۹۹۷ء

تخلیق کار معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتا ہے۔ جو قومیں تخلیق کاروں کے مفادات کا خیال رکھتی ہیں' وہ لوح تاریخ پر جگمگانے لگتی ہیں۔ عصر حاضر میں خود ساختہ تخلیق کاروں نے جلب منفعت کا جو رویہ اپنا رکھا ہے' وہ کسی بھی طرح مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چشم معنی آشنا ہر ایک کا مقام و مرتبہ پہچانتی ہے۔ باشعور تخلیق کاروں کو چاہئے کہ وہ تخلیقی صلاحیتوں سے محروم دانشوروں سے لاتعلقی کا اعلان کریں۔

یہ امر انتہائی مسرت آمیز ہے کہ موجودہ حکومت نے فنکاروں اور تخلیق کاروں کو مختلف اعزازات عطا کرنے کے ساتھ ساتھ باوقار عہدوں کی پیشکش بھی کی ہے۔ اس طرز عمل سے حکومت کی علم دوستی اور ادب پروری ظاہر ہوتی ہے۔ ہماری گزارش محض یہ ہے کہ حکومت عہدوں کی پیشکش کرتے ہوئے اہل ادیبوں اور دانشوروں کو نظر انداز نہ کرے۔ یاد رہے کہ نااہل افراد اس چراغ کی طرح ہوتے ہیں جو اپنے ہی گھر کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ حکومت نے اس سلسلے میں احساس ذمہ داری کا ثبوت نہ دیا تو ایوان حکومت کو گھر کے چراغ ہی سے آگ لگ سکتی ہے۔

مئی ۱۹۹۷ء ایک زمانہ تھا کہ صحافت کو ایک مقدس و معتبر پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ صحافیوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کی تحریروں کو وقعت دی جاتی تھی۔ معتبر صحافیوں کی تحریروں اور تجزیوں سے "تبدیلیوں" کی راہ ہموار ہو جاتی تھی۔ عصر حاضر میں "زرد صحافت" نے صحافت کو داغدار کر دیا ہے۔ بے شمار اخبارات و جرائد کے اجرا نے ہر لکھنے والے کو صحافی بنا دیا ہے۔ روز و شب کی نت نئی خبروں کی اشاعت نے "زرد صحافت" کو مزید "چمکا" دیا ہے۔ اخبارات کی شہ سرخیاں پڑھ کر لوگوں میں ہیجان و اضطراب پیدا ہوتا ہے اور وہ طرح طرح کے نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اخبار کا عملہ خبر کے حصول کی تصدیق، ساخت اور اثرات کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کے پیش نظر محض انسانی جذبات کو بھڑکانا اور اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخبارات کی زبان انتہائی گھٹیا اور عامیانہ ہوتی ہے۔ روز مرہ اور محاورہ کی اغلاط کا تو ذکر ہی کیا۔ ہر روز اخبار میں دس پندرہ الفاظ کے املا بھی غلط ہوتے ہیں۔ اس پیچیدہ صورتحال کی اصلاح انتہائی ضروری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پیشے سے منسلک افراد "نعرہ حق" بلند کریں اور اپنے درمیان سے خود ساختہ صحافیوں کو نکال کر صاف ستھری صحافت کو فروغ دینے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ حکومت وقت کا بھی فرض ہے کہ وہ "زرد صحافت" کے علمبرداروں سے اپنا دامن چھڑانے کی سعی کرے۔ اگر صحافت کو حقیقی شکل میں عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا تو دن نہیں جب اخبارات و جرائد تو ہوں گے لیکن

ان کے قارئین "غائب" ہو چکے ہوں گے۔ ——————O

جون ۱۹۹۷ء (محرم نمبر)

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے محرم کے مہینے میں ریگزار کربلا پر اپنے خون سے دین کے تحفظ اور انسانیت کی بھلائی کے لئے جو عبارت تحریر کی تھی' وہ کل کی طرح آج بھی روشن اور تابناک ہے۔ کربلا کا واقعہ محض ایک سانحے کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوا' بلکہ اس کے ذریعے حق و باطل کے درمیان ایک فصیل کھنچ گئی ہے۔ اب حسین علیہ السلام و یزید فقط دو افراد کے نام ہی نہیں رہے۔ بلکہ یہ دو قوتوں اور دو علامتوں کے نام بن گئے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام حق و صداقت' جرات مندی' ایثار و قربانی اور روشنی و تابناکی کی علامت بن گئے ہیں اور یزید ظلم و شقاوت' جبر و بربریت اور سفاکی و تاریکی کی علامت بن گیا ہے۔ کربلا کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے کہ اب ہمارے سامنے دو راستے واضح ہو گئے ہیں۔ ایک راستہ یزید کی طرف جاتا ہے اور دوسرا حضرت امام حسین علیہ السلام کی سمت' محرم کا مہینہ ہمارے واضح فیصلے کا مہینہ ہے۔ عصر حاضر میں بھی ہمیں جس یزیدیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں حسینی فکر و عمل کی ضرورت ہے۔

آیئے مل جل کر عہد کریں کہ سید الشہداء نے کربلا کے میدان میں اپنے خون سے جو شمع روشن کی تھی' ہم اسے کسی بھی صورت نہیں بجھنے دیں گے۔

جولائی ۱۹۹۷ء O——————O——————O

وطن کی محبت انسانی زندگی کا قابل فخر سرمایا ہے۔ یوں تو تمام لوگ حب وطن سے سرشار ہوتے ہیں' تاہم وطن سے دور رہنے والوں کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔ وہ ہر لمحہ اپنے وطن کو یاد کرتے ہیں' اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ایسے افراد وطن دوستی کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیبی روایات کی قدر کرتے ہیں اور اردو زبان کے فروغ کے لئے اپنی جملہ مساعی جمیلہ بروئے کار لاتے ہیں۔ پاکستان کے بعض عاقبت نااندیش پبلشر نما ادیب و شاعر بیرون ملک مقیم ان شریف النفس اور سادہ لوح تخلیق کاروں کو اپنے جال میں پھنس لیتے ہیں اور انکی تخلیقات کی

اشاعت کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ گرگ باراں دیدہ پبلشر بیرون ملک اپنے قیام و طعام کی راہ ہموار کرتے ہیں اور پاکستان میں مخصوص لوگوں سے دیباچے اور فلیپ لکھوا کر ان کی تخلیقات نظم و شعر شائع کر دیتے ہیں۔ اس اشاعت کے بدلے میں وہ ان سے کثیر مال بٹور لیتے ہیں۔ پاکستانی شعراء و ادباء کا یہ رویہ انتہائی ملال انگیز ہے اس سے ایک جانب تو پاکستانیوں کی بدنامی ہوتی ہے اور دوسری جانب بیرون ملک مقیم شعراء و ادباء کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ ہمارے پبلشر شاعروں اور ادیبوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اس طرز عمل کا خود جائزہ لیں اور کوئی ایسا عمل نہ کریں جو قومی وقار کے منافی ہو۔ ———O

اگست ۱۹۹۷ء ایک زمانے میں ترجمے کا فن انتہائی دشوار سمجھا جاتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس اس کوچے میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ تاہم مقام افسوس یہ ہے کہ عصر حاضر کے خود ساختہ مترجمین نے اسے کار طفلاں بنا دیا ہے۔ ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کر دینا ترجمہ کہلاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر لفظ کا ایک تہذیبی پس منظر ہوتا ہے' جسے سمجھے بغیر ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ کامیاب مترجم وہی قرار پاتا ہے' جو بین السطور موجود خیال کو اپنی گرفت میں لے اور تخلیق کار کے ذہن کے قریب پہنچنے کی کوشش کرے۔ بیشتر ترجمہ نگار اس فن کو شوقیہ اپنائے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تخلیق کار کے ذہن تک پہنچنے کے بجائے اپنے خیال کو بھی تخلیق میں شامل کر دیتے ہیں۔ شاعری کے ترجمے میں اس قسم کی مضحکہ خیزیاں عام طور پر نظر آجاتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مترجمین ترجمہ کرتے ہوئے لفظوں کے سیاق و سباق اور اس کے تہذیبی پس منظر کو پیش نگاہ رکھیں تاکہ ترجمہ حقیقت سے قریب تر ہو جائے۔ اگر ترجمہ نگاروں نے "کانا اور لے دوڑے" والا رویہ اپنائے رکھا تو وہ دن دور نہیں' جب قارئین ترجمے والی تخلیقات پڑھنا چھوڑ دیں گے اور ترجمہ نگاروں سے ان کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ ———O

ستمبر ۱۹۹۷ء پاکستان کی گولڈن جوبلی نہایت دھوم دھام سے منائی جا رہی ہے حکومتی اور عوامی سطح پر استحکام پاکستان کے لئے بلند بانگ دعوے کئے جا رہے ہیں۔ یہ امر انتہائی خوش آئند ہے کہ ہم خوشحال پاکستان کے لئے جدوجہد کا عزم صمیم رکھتے ہیں' تاہم ہمیں ماضی کے

آئینے میں ان پچاس برسوں کی تصاویر بھی دیکھنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فردا ہمیشہ دوش کے کاندھے پر جگمگاتا ہے۔

پاکستان میں پچاس برسوں کی علمی و ادبی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو ہمارا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ علمی و ادبی سطح پر ہم ہنوز اپنی شناخت ہی نہیں کرا سکے۔ حکومت نے معیاری ادب کو سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا اور تخلیق کاروں کو اپنی رضا و رغبت کے لئے استعمال کیا۔ ادیبوں اور شاعروں نے ذاتی منفعت کو پیش نگاہ رکھا اور اسی بناء پر پاکستان میں ادب کے بجائے ادیب مالا مال ہوتے گئے۔ ہمارے اس طرز عمل نے ہمیں پچاس برس پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کو چاہئے کہ وہ اس گولڈن جوبلی کے موقع پر عہد کریں کہ وہ آئندہ ملکی وقار و مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے اور اپنے خون جگر کو بروئے کار لا کر اعلیٰ معیاری ادب تشکیل دیں گے اگر یہ عہد پورا نہ ہوا تو سو سالہ گولڈن جوبلی کے موقع پر بھی ہم اسی مقام پر کھڑے ہوں گے جہاں آج ہیں۔ ———○

اکتوبر ۱۹۹۷ء

ایک زمانہ تھا کہ صحافت کا پیشہ انتہائی مقدس خیال کیا جاتا تھا اور صحافی کو معاشرے میں قدر و منزلت حاصل تھی۔ عصر حاضر میں صحافیوں نے زرد صحافت اپنا کر اس فن کو غیر معتبر اور کم وقعت بنا دیا ہے۔ آج کل ادیبوں کو صحافی بننے کا شوق چرایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بے شمار ادبی رسائل و اخبارات منظر عام پر آگئے ہیں۔ بیشتر اخبارات و رسائل ذاتی تشہیر یا دوسروں کی کردار کشی کی غرض سے نکالے گئے ہیں۔ بعض اخبارات تو محض دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ یہ طرز عمل ایک حد تک خطرناک ہو چکا ہے کہ اب بات ادب و ادیب سے ہٹ کر اس کے خانگی معاملات تک پہنچ گئی ہے۔ یہ مکروہ صورت حال محض اس لئے پیدا کی جا رہی ہے کہ معاشرے میں علم و ادب کو فروغ دینے والے سطحی مسائل کا شکار ہو جائیں اور ان کی توجہ ادب سے ہٹ جائے۔ ادبی صحافیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورتحال کی بیخ کنی کے لئے اپنے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائیں۔ ○———○———○

نومبر ۱۹۹۷ء ایک زمانہ تھا کہ تجربہ کار ادیبوں اور شاعروں کی قدر کی جاتی تھی اور ان کے مفید مشوروں پر عمل کیا جاتا تھا۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ نوجوان شعراء اور ادباء اپنے آپ کو ہر لحاظ سے اکمل سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اب انہیں کسی قسم کی اصلاح کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس طرز فکر نے بزرگ ادیبوں و شاعروں کو گوشہ نشین کر دیا ہے اور ہمارا معاشرہ ان کے تجربوں کی دانش و بینش سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ حکومت صحافت کے نام پر شہرت کمانے والوں کو تو خوب نواز رہی ہے' لیکن عمر بھر علم و ادب کی خدمت کرنے والے گوشہ نشین بزرگ ادیبوں اور شاعروں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ حکومت کا یہ غیر دانشمندانہ رویہ اس کے لئے سم قاتل ثابت ہو گا۔

دسمبر ۱۹۹۷ء

کسی بھی معاشرے میں نوجوانوں کی حیثیت اساسی ہوتی ہے۔ ایک جانب تو نوجوان اپنے علمی اقدامات سے قوم کی ترقی و فروغ کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرتے ہیں اور دوسری جانب اسکے فکری رویوں سے نئے نئے تخلیقی چراغ روشن ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر نوجوانوں کی بھرپور طریقے سے حوصلہ افزائی کی جائے تو وہ قوم کی ترقی میں عملی و فکری ہر دو لحاظ سے مفید ہو سکتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم دونوں سطحوں پر نوجوانوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ عملی سطح پر ان کو ناتجربہ کاری کا طعنہ دیکر اہمیت نہیں دی جاتی اور فکری سطح پر ان کے نظریات و خیالات کو غیر معتبر تصور کر لیا جاتا ہے۔ اس صورتحال سے آج کا نوجوان پریشان ہی نہیں بلکہ یاسیت کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات در آئی ہے کہ یا تو وہ اس معاشرے کے لئے عضو معطل ہے اور یا کچھ "مخصوص بزرگ" اس کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں

ضرورت اس امر کی ہے کہ بزرگ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں اور اپنی فکری اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نوجوانوں کو اس یاس زدہ صورتحال سے باہر نکالیں۔

maablib.org

آج کا دور صحیح معنی میں قحط الرجال کا دور ہے اور اس انحطاط کی زیادہ تر ذمہ داری ہمارے تعلیمی اداروں پر آتی ہے جہاں تعلیم اور تربیت دونوں بالکل ختم ہو گئے ہیں۔ طلبہ حصولِ علم کی خاطر نہیں بلکہ محض امتحان پاس کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور اساتذہ میں بھی طلبِ علم کا کوئی جذبہ نہیں۔ زندگی سے سنجیدگی تقریباً مفقود ہو گئی ہے۔ اس صورتِ حال میں دانشوروں کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب دانشوری بھی جنسِ بازار ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے دورِ جاہلیت میں سنجیدہ جریدہ کا نکالنا اور اسے باقاعدگی کے ساتھ برسوں تک چلانا اور اس کے معیار کو برقرار رکھنا جہاد سے کم نہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کی علم و ادب سے وابستگی دوسروں کے لیے بھی ہمت افزائی کا باعث ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ان اداریوں میں ادب کے تقریباً تمام مسائل پر بحث ہے اور زیادہ اہم بات یہ ہے ان میں ادب کو زندگی سے علیحدہ کر کے نہیں بلکہ خود زندگی کے ایک فعال شعبہ کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ اداریے ادب کے حوالے سے زندگی کے متعلق اہم سوالات اٹھاتے ہیں اور صحیح سوالات کا اٹھانا ہی اصل دانشوری ہے۔

(پروفیسر رضی عابدی)

۲۴ مئی ۱۹۹۸ء

لاہور